اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

حصۂ دوم

کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سیّد اکبر حسین صاحب مرحوم

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام سید انعام مصطفےٰ

اسٹار الکٹرک پرنٹنگ ورکس الٰہ آباد میں چھپا

ایڈیشن پنجم (۱۰۰۰ جلد) سنہ ۱۹۲۶ء قیمت عہ علاوہ محصولڈاک

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا

حصۂ دوم

کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام سید انعام مصطفےٰ

اسٹار الکٹرک پرنٹنگ ورکس الہ آباد میں چھپا

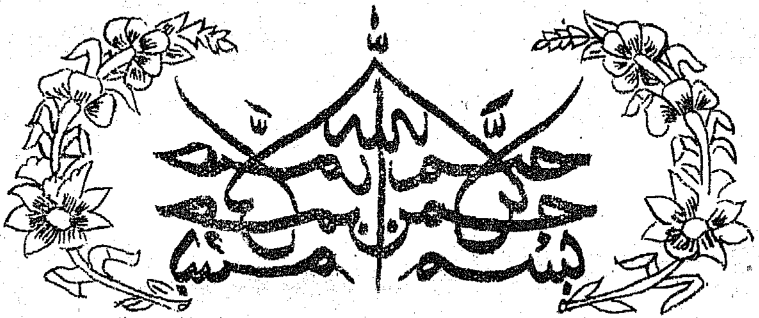
ایڈیشن پنجم (۱۰۰۰ جلد) سنہ ۱۹۲۶ء قیمت عمر علاوہ محصولڈاک

انڈکس

مضمون	صفحہ







ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

دل کو جو پہونچا سے ایذا وہ نہیں ہے اہل دل
ظلم کا باعث جو ہو وہ آشنا کیونکر ہوا

طالب دنیا کو اکبر کس طرح سمجھوں میں خضر
خود جو گم ہے فکر میں وہ رہنما کیونکر ہوا

وقت طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا
اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

اس نے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتوں کا
یا اس نے خوب سمجھا یا اس نے خوب دیکھا

نام خدا کو اکثر زیب زباں تو پایا
عشق بتاں کو لیکن نقش قلوب دیکھا

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

کوئی طاقت نہیں اب آپ کی طاقت کے سوا
کچھ بچا ہی نہیں میرے لئے جرأت کے سوا

ہر ارادے میں نظر آتی ہے اک صورت یاس
شغل اب کچھ بھی نہیں فسخ عزیمت کے سوا

اسکو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش
میں نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا

شکر ملا جسکو زمانے میں مبارک ہو اسے
ہم نے تو کچھ بھی نہ پایا غم و حسرت کے سوا

مطمئن ہو کے لگاتا ہوں لحد میں بستر
اب اٹھاتا ہے مجھے کون قیامت کے سوا

عکس دنیا کے مرقع کا پڑا آنکھوں میں
دل میں اتری نہ کوئی شے تری صورت کے سوا

نہ یہ رنگ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا
یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا

غمِ دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا

تمھیں دیکھ سنکے فطرت نے یہ نقش کھینچے ورنہ
نہ یہ ہوتی چشمِ نرگس نہ یہ گل کا گوش ہوتا

دل و دیں ہیں سب کے صدقے جو وہ خودنما نہ ہوتے
کوئی زندہ ہی نہ رہتا جو وہ خود فروش ہوتا

نہ ابھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے
کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا

حسنِ نظامی اکبر کا کلام سن کے بولے
میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

نہ کہہ کہ شمع سے پروانہ دور ہی اچھا
اگر ہے عشق تو قربِ حضور ہی اچھا

سکھا لیا ہے مجھے اے شیخ چشمِ ساقی نے
غرورِ زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

ہزار ہوش ہیں قربان ایسے جلوے پر
حجابِ حضرتِ موسیٰ کو طور ہی اچھا

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز
یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

دلِ شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے پینے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

وہ مے نہیں رہی نہ وہ پیمانہ رہ گیا
دنیا میں بزمِ جسم کا اک افسانہ رہ گیا

غائب ہوئی پری دلِ دیوانہ رہ گیا
افسوس شمع بجھ گئی پروانہ رہ گیا

سرور و نور و وجد و حال ہو جائیگا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب
وہی پیدا کریگا دن بھی کی ہے جسنے شب پیدا

فرقتِ یار میں جینے کا سہارا کیا تھا
خوب نکلی موت سوا موت کے چارا کیا تھا

جان اللہ نے لی جسم ہوا داخلِ گور
ہمنے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

دنیا کا دیدنی وہ تماشا نکل گیا
اب گرد رہ گئی ہے یہ۔ میلا نکل گیا

اب مادّے کے چھاننے والے ہی رہ گئے
روحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا

موت آئی عشق میں تو ہمیں نیند آگئی
نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا

میں خوش ہوا جو آپنے دیں مجھکو گالیاں
اچھا ہوا بخار تو دل کا نکل گیا

کیا دل لگاؤں موسمِ گل سے میں اے صبا
اسکو بھی کچھ ثبات ہے۔ آیا نکل گیا

بازار مغربی کی ہوا سے خدا بچائے — میں کیا مہاجنوں کا دوالا نکل گیا

کام کوئی مجھے باقی نہیں مرنے کے سوا — کچھ بھی کرنا نہیں اب کچھ بھی نہ کرنے کے سوا

حسرتوں کا بھی مری تم کبھی کرتے ہو خیال — تمکو کچھ اور بھی آتا ہے سنورنے کے سوا

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی — کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

محو حیرت ہی رہی بحر میں ہر چشم حباب — کچھ نہ تھی ہستی امواج گذرنے کے سوا

میرے شکووں کو نہ پوچھیں رہیں خاموش حضور — کچھ نہ بن آئیگی واللہ مکرنے کے سوا

عشق کے فن میں ہے اکبر کا بھی درجہ عالی
عیب کچھ اسمیں نہیں ضبط نہ کرنے کے سوا

نہ باشد معتبر دل را سکون و اضطراب اینجا — غم و شادیست گردِ کاروانِ انقلاب اینجا

میاسا در ہجوم جلوۂ دنیا کہ می بینم — سکونِ یک نفس سرمایۂ صد اضطراب اینجا

فریب بحر ہستی مایۂ کبر است غافل را — بہ اوجِ چرخ خواہد سر کشیدن ہر حباب اینجا

ز قرآن بیخبر ملتیش و از عقبیٰ مشو غافل
چہ خوش گفت اکبر خوشگو حساب آنجا کتاب اینجا

تونے جسے بنایا اسکو بگاڑ ڈالا — اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا

برباد کیا اجل نے مجھکو کیا یہ کہئے — روح رواں نے اپنے دامن کو جھاڑ ڈالا

دستار و پیرہن گم اور جیب و کیسہ خالی — تہذیب مغربی نے ہمکو پچھاڑ ڈالا

بنیاد دیں ہوائے دنیا نے منہدم کی — طوفان نے شجر کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا

اچھا ملا نتیجہ مجھکو مراسلت کا — قاصد کو قتل کر کے نامے کو پھاڑ ڈالا

پیغام آ رہا ہے دلِ بیقرار کا — قائم ہے سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا

شایق ہوا ہے بوسۂ دامانِ یار کا — اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

باغ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں — دوڑاؤں گل پہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا

شمس و قمر کو دیکھتے ہیں تجھ کو بھول کر
کیا شعبدہ ہے گردشِ لیل و نہار کا

آماجگاہ تیر حوادث ہوں رات دن
پتلا بنا ہوا ہوں غمِ روزگار کا

اے جنوں دور ہے فطرت کی خود آرائی کا
دیدنی ہے یہ سماں لالۂ صحرائی کا

بڑھتا جاتا ہے اُدھر شوق خود آرائی کا
حوصلہ پست ہے یہاں ضبط شکیبائی کا

آپ کی یاد کو اللہ سلامت رکھے
مجھ پہ احسان ہے اس مونس تنہائی کا

سبزہ باغ آپ مرے اشک روانکو نہ دکھائیں
موج پر رنگ جمے گا نہ کبھی کائی کا

ایجاں شبِ فرقت میں میں سو ہی نہیں سکتا
تجھ بن مجھے نیند آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا

اس بحر میں ہوں مثل حباب اے غم ہستی
طوفاں مری کشتی کو ڈبو ہی نہیں سکتا

خاکِ قدم اُسنے مری آنکھوں میں لگادی
اب اور مصیبت ہے کہ رو ہی نہیں سکتا

ہوا دل بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہ جبیں کا
نثار ہونے کی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

اگر ہو ذوقِ سجود پیدا ستارہ ہو اوج پر جبیں کا
نشانِ سجدہ زمیں پہ ہو تو فخر ہے وہ رخِ زمیں کا

صبا بھی اُس گل کے پاس آئی تو میرے دلکو ہوا کھٹکا
کوئی شگوفہ نہ یہ کھلائے پیام لائی نہ ہو کہیں کا

نہ مہر و مہ پر مری نظر ہے نہ لالہ و گل کی کچھ خبر ہے
فروغِ دل کے لئے ہے کافی تصور اُس روئے آتشیں کا

نہ علم فطرت میں تم ہو ماہر نہ ذوق طاعت ہے تم سے ظاہر
یہ بے اصولی بہت بری ہے تمہیں نہ رکھیگی یہ کہیں کا

جسے اپنے دام کا پا گیا اُسے اک نظر میں ملا لیا
تری چشم مست ہے وہ غضب مرے شیخ کو بھی پلا لیا

وہ فسانۂ رنگ ہے خوشنما تھا اُسے کتاب مثالِ شگفتگی
یہ فریبِ لطفِ نسیم تھا کہ کلی کو جس نے کھلا لیا

یہ گہر فشانی متصل ہے فقط نتیجہ جوشِ دل
جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا
علیگڈھ کو شرف بخشا ہے اقبال نصاریٰ نے
وہ اک دن تھا میاں کو عار تھا جب صابن بھی ملنے میں

نہ ہوا میں طالبِ انجمن کسی سے بینے صلا لیا
اُسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا
کہ جو مسلم اٹھا شوقِ ترقی میں یہیں آیا
پڑا اب سایۂ مغرب تو بی بی بھی ہنسیں آیا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہوائے اکبر
اُڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

چھا گئی زردی چمن پر جلوۂ گل ہو چکا
واعظا تجھکو مبارک سنبل تقویٰ کے پیچ
بحرِ عرفان کیلئے ہے کشتئ دل لازمی
کیا دلِ آگاہ سینوں میں نہیں باقی رہے

جور صرصر کے دن آئے دورِ بلبل ہو چکا
اب تو دل میرا اسیرِ دامِ کاکل ہو چکا
سود مند اس راہ میں الفاظ کا پل ہو چکا
سنتے ہیں سرمایہ اہلِ توکل ہو چکا

سانس لیتے ہیں بھی اے اکبر کرو اب احتیاط
موقعِ فریادِ آہِ بے تامل ہو چکا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پرنور ہوئی
جس دل میں ہو پرتو کرسی عرش اس دل کی بلندی صل علےٰ
تسبیح سے دنیا گونج اٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا

جبریل بھی ہیں شیدا انکے یہ شانِ نبوت کیا کہنا
یہ مہرِ ہدیٰ سبحان اللہ یہ صبحِ سعادت کیا کہنا
جس سینے میں قرآں نازل ہو اس سینے کی عظمت کیا کہنا
تاثیرِ ہدایت صل علےٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

نغمہ ہے ترا دلکش اکبر مضموں ہے ترا پاکیزہ و نغز
بلبل کے ترانے صل علےٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

عمل اُٹھنے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
بیاں کرتا تھا بربادی کا اک برگِ خزاں دیدہ
محلے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے

کوئی پوچھے کہ انکے ہاتھ کیا نعم البدل آیا
رہا میں باغ میں دو دن کفِ افسوس مل آیا
تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جا کر کود اچھل آیا

جہانِ بے بقا سے کیا لگائے دل کوئی اکبر
گیا وہ آج پُر حسرت جو ارماں لیکے کل آیا

اشارہ ہے یہی باد صبا کا
چمن اک رنگ ہے اُسکی ادا کا
نسیمِ صبحگاہ ہے وجد میں ہے
عجب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

عجیب برق بلا تھا نظارہ اُس مس کا
وجود ہی نہ رہا دل میں دین کے حس کا
نسیم و گل کے تعلق پہ یہ نہیں غمّاز
خدا زیادہ کرے نور چشم نرگس کا

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا
ہمیشہ مجھ پہ یہ کمبخت ہوش بار رہا
نشانِ شوکتِ انساں بنے تو مٹ بھی گئے
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا
بانکپن دل میں عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا
کی ترقی تو بہت پردہ میاں پن نہ رہا
لان ٹینس کے لئے بن گئے شاہی گلزار
ساتھ سبزے کے ہجوم گل و سوسن نہ رہا

راز کھل جاتا ہمارے نالۂ و فریاد کا
آپ سنتے ہی نہیں قصّہ دلِ ناشاد کا
آسماں نے دل کی بربادی کی کچھ پروا نہ کی
کھیل تھا ویران کرنا خانۂ آباد کا
اس نگاہِ حسرت آگیں سے نہایت تنگ ہوں
ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں مجھ پر کسی جلّاد کا
مَس ہوا ہے باغ کا ہے اب پروں کو نا گوار
اتنا خوگر ہو گیا ہوں پنجۂ صیّاد کا
میری نظروں سے گری رہتی ہے دنیائے دنی
عرش منزل ہے یہ پہلو طبع کی آفتاد کا

اُنکے پرچے کیلئے اکبر نے کہدی یہ غزل
شکر ہے اُترا تقاضا حضرتِ آزاد کا

اب تو ہے عشق بتاں میں زندگانی کا مزا
جب خدا کا سامنا ہو گا تو دیکھا جائیگا
ہے سبب جوشِ جنوں کا رنج ہجراں اے جنوں
آپ تو تشریف لائیں ہوش بھی آ جائیگا

عشق بتاں میں کفر کا مجھکو ادب کرنا پڑا
جو برہمن نے کہا آخر وہ سب کرنا پڑا
صبر کرنا فرقتِ محبوب میں سمجھے تھے سہل
کھل گیا اپنی سمجھ کا حال جب کرنا پڑا

تجربے نے حبِّ دنیا سے سکھایا احتراز
پہلے کہتے تھے فقط منہ سے اور اب کرنا پڑا

شیخ کی مجلس میں بھی مفلس کی کچھ پرسش نہیں
دین کی خاطر سے دنیا کو طلب کرنا پڑا

کیا کہوں میں نے خود ہوا ہیں کس نگاہِ مست سے
عقل کو بھی میری ہستی کا ادب کرنا پڑا

اقتضا فطرت کا رکتا ہے کہیں اے ہمنشیں
شیخ صاحب کو بھی آخر کارِ شب کرنا پڑا

عالم ہستی کو تھا مدِ نظر کتمانِ راز
ایک شے کو دوسری شے کا سبب کرنا پڑا

شعر غیروں کے اُسے مطلق نہیں آئے پسند
حضرتِ اکبر کو بالآخر طلب کرنا پڑا

تیغیں بنیام میں ہیں انداز جنگ بدلا
خاموش ہیں زبانیں محفل کا رنگ بدلا

مائی کو پوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے
اسٹیمروں سے ملکر انداز گنگ بدلا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا
دل سینے میں ہے منہ میں زباں ہو نہیں سکتا

تم غیر کے پہلو میں ہو میں بزم میں بیٹھوں
مجھ سے تو یہ ایجان جہاں ہو نہیں سکتا

آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم
واللہ زبانوں سے بیاں ہو نہیں سکتا

معنی کے شعاعوں سے جو لکھ جاتا ہے دل پر
سچ یہ ہے وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا

کسطرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ اخلاص
ظاہر ہے کہ یہ کام یہاں ہو نہیں سکتا

بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی
اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہیں تہیں خیز
کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

یقیں خدا کا بتِ نکتہ چیں نے کیوں نہ کیا
نہ پوچھ کار بنی دور بیں نے کیوں نہ کیا

جو دل میں آتی ہے اسے واعظو نہیں رکتی
سکوت خوب ہے لیکن تمھیں نے کیوں نہ کیا

اُٹھائی میرے ڈرانے کو زحمتِ دشنام
یہ کام آپکی چینِ جبیں نے کیوں نہ کیا

مجھے تو طلتے ہیں افشائے عشق کے طعنے
نہاں جمال کو اپنے انھیں نے کیوں نہ کیا

ہمیں ہنسنے سے زیادہ گناہ اکبر پر
ہمیں کو اب ہے یہ حسرت ہمیں نے کیوں نہ کیا

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
کوئی حسرت مرے دلمیں کبھی آئی ہی نہیں
اسکی ہیٹی سے نے اُٹھا رکھی ہے دنیا سر پر
دلفریبی مری دنیا نے تو بیحد چاہی
ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کروں
مجھکو حیرت ہے یہ کس پیچ میں آیا زاہد
بسید ریغ آپ یہ دی جان کیا یہ جینے

موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا
تھا ہی ایسا کہ یہ مقبول تمنا نہ ہوا
خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا
میری ہی ہمت و غیرت کا تقاضا نہ ہوا
اسمیں کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا
دام ہستی میں پھنسا زلف کا سودا نہ ہوا
مرحبا منہ سے کہیں آپ سے اتنا نہ ہوا

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکیگا جو رو رہا ہے وہ رو چکیگا
فلک پہ چلے ظالمانہ چالیں مچا رہے اندھیر جتنا چاہے
ہماری منزل کا ہے وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا ہے

سکون دلسے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکیگا
زمانہ لے ہی گا کوئی کروٹ نصیب سکیں کا سو چکیگا
کھلینگے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکیگا

مراد اکبر بتان کافر سے مل ہی جائیگی شاید لیکن
مراد ملنے سے پہلے لیکن یہ امتیاز اپنا کھو چکیگا

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا
یہ طرز احسان کرنے کا تمھیں کو زیب دیتا ہے
بلائیں لیتے ہیں اُنکی ہم اُنپر جان دیتے ہیں
خدا کی یاد میں محویت دل بادشاہی ہے

حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا
مرض میں مبتلا کرکے مریضوں کو دوا دینا
یہ سودا دید کے قابل ہے کیا لینا ہے کیا دینا
مگر آسان نہیں ہے ساری دنیا کو بھلا دینا

دنیا سے ملنے کچھ بھی نہ چاہا
اسمیں برائی کیا تھی جو ملنے
ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئیگا

دل ہی نہ اُبھرا جی ہی نہ چاہا
احیائے رسم دیرینہ چاہا
خدا کا نام لئے جاؤ کام آئیگا

ڈریں نہ حشر کی گرمی سے عاشقانِ رسول — لگے گی پیاس تو کوثر کا جام آئیگا
رہے گا خوانِ فلک پر ضرر سے وہ محفوظ — جسے خیال حلال و حرام آئیگا
اگرچہ صبح کو پھیکے ہیں مثل مہ صائم — چمک اوٹھینگے یہ جب وقت شام آئیگا

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اُسکا — جسکے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا
لاکھ رُوئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ رسول — دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

ایک اس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

یہ کیا صورت ہوئی پیدا۔ یہ ان کا اد عا کیا — بتانِ دیر کہتے ہیں ہمیں دیکھو خدا کیسا
ہمیں تو رنگ و بوئے گل یہ محویت یہ مستی ہے — مریضوں کو خبر ہوگی کہ ہے اس کا مزا کیسا
بس آنکھیں بند ہوئی تھیں کہ بد لا ہوش کا عالم — کسے اب یاد نقشہ عالم ہستی کا تھا کیسا

حلاوت زندگانی کی کہاں اس تلخ کامی میں
خدا کا حکم ہے جیتے ہیں اے اکبر مزا کیسا

اے دور فلک دنیا میں مجھے اب لطف ذرا باقی نہ رہا — جب ہم نفس اپنے اُٹھ گئے سب جینے کا مزا باقی نہ رہا
محرومی کا شکوہ بھول گئے یکتائی پر اپنی فخر ہوا — پیشِ در دولت میرے سوا جب کوئی گدا باقی نہ رہا

یہ پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا — اسی کا کام ہے ذوقِ نظر میں جل کے مر جانا
یہی باتیں ہیں جنکی یاد تڑپا دیتی ہے دلکو — مرا انگڑائیاں لینا اور اُس ظالم کا ڈر جانا
ہمارے دیر میں آکر کبھی اے شیخ بیٹھو تو — نظر بُت پر نہ کرنا اللہ ہی اللہ کر جانا
دلِ مشتاق اندیشوں سے کہتا ہے یہی ہردم — اُسی کو ڈھونڈتے رہنا جہاں ہونا جدھر جانا

کھلے گل۔ بہار آئی۔ چمن کا سماں بدلا — ادھر آ۔ مرے ساقی۔ پلا دے۔ سب مجھے صہبا
غموں سے۔ رہائی ہو۔ تردد۔ نہ رہ جائے — مزے میں۔ غزل گاؤں۔ کسی کا۔ نہ ہو کھٹکا
سمجھ میں۔ مضرت ہے مزا ہے۔ جو مستی ہو — خدا پر۔ بھروسا کر۔ عبث ہے۔ غم فردا

کہاں ہیں جم و کسریٰ۔ کدھر ہے۔ وہ بزم اُنکی
فنا کا تسلسل ہے۔ کسی کو نہیں رہنا

زمزموں سے کیوں نہیں ہے تجھکو سیری عندلیب
کون سنتا ہے صدا گلشن میں تیری عندلیب

پارک میں اُنکے دیا کرتا ہے ایپیچ وفا
زاغ ہو جائیگا اکدن آنریری عندلیب

سب سے کر قطع نظر بہر خیالِ روے دوست
ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ روے دوست

گوشِ عارف کے لئے قائم ہے صورت سرمدی
ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اُسسے حالِ روئے دوست

گردشِ ارض و سما ہے خضرِ راہِ معرفت
مہر و مہ ہیں شاہدِ اوجِ کمالِ روے دوست

صد ہزاراں گلشنِ معنی براہ اُفتادہ است
تا مرا بر صورتِ خویش نگاہ اُفتادہ است

خار از دشت زلیخا را براہ اُفتادہ است
مژدہ باد اے عشق یوسف ہم بجاہ اُفتادہ است

بباغ طبع ز عشق تو رنگ و بوئے ہست
مرا بہ سینہ دلے ہست و آرزوے ہست

ز شورِ عالم ایجاد بے خبر ہستم
کہ حیرت ست و نگاہِ من ست و روے ہست

شورِ بلبل جوشِ گل موجِ نسیم انوارِ صبح
اللہ اللہ کس قدر ہیں دل کشا آثارِ صبح

آفتابِ اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس
نورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دمِ آثارِ صبح

جلوۂ حق کے مقابل شمعِ بت ہے بے فروغ
ہے پیامِ مرگ شمعوں کے لئے دیدارِ صبح

واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیمِ صبح خیز
تیرے دم سے ہے چمن میں گرمیِ بازارِ صبح

شب گذرتے ہی ہوئی برخاست بزمِ میکشی
گردنِ مینا سے شاید اٹھ نہ سکتا بارِ صبح

مدتوں سے آجکل پرٹالتے ہیں وہ مجھے
صبح کو اقرارِ شام اور شام کو اقرارِ صبح

عاشقِ دنیا کو کیوں آئے خیالِ آخرت
کس نے پروانے کو پایا شائقِ دیدارِ صبح

خوابِ نوشیں سے ترا بیدار ہونا الاماں
یہ خمارِ نرگسِ مستانہ یہ آثارِ صبح

عہدِ پیری آ گیا اکبر سنبھالو اپنے ہوش
خوابِ غفلت سے اٹھو پیدا ہوئے آثارِ صبح

کروں میں کسطرح اس دورِ انقلاب کی مدح
ہنوز شرع میں جائز نہیں شراب کی مدح

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

بقیہ صیغے بھی ماضی بنیں گے حال کے بعد
رہا جو زندہ وہ دیکھیگا تیس سال کے بعد

نظارۂ بتِ بے دیں میں ہے ہلاکیِ روح
اب اختیار ہے تم کو اس احتمال کے بعد

ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا
یہ لطف کیا کہ جدا اُن سے ہوں ملال کے بعد

رہے نہ اہلِ بصیرت تو بے خرد چمکے
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

رنج ہے زیر فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھئے ماہ محرم ہی پڑا عید کے بعد

جلوۂ حسن کچھ آساں نہیں اے دیدۂ شوق
حور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

فریاد ہے اسی کی طپش سے زبان پر
پہلو میں دل نہیں ہے مصیبت ہے جان پر

دونوں کا ارتباط خدا ہی کے ہاتھ ہے
دانہ تو زیر خاک ہے ابر آسمان پر

دن کو بھی اُن کے ملنے سے بہتر ہے احتراز
ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر

قبروں سے دوستوں کی بھرے ہیں سواد شہر
یوں کتنے نام روئیں کس کس نشان پر

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں نہوں وہ ھُوَ المُستعان پر

جو ہے زبان پہ دل کو نہیں اُس سے فائدہ
جو دل میں ہے وہ لا نہیں سکتے زبان پر

شکر خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے
یاروں کی اب تو بھیڑ ہے مے کی دوکان پر

افسانۂ بہار و زبانِ نسیم - واہ
گل جامہ چاک کرتے ہیں اس داستان پر

جوش اُسکو کہتے ہیں کہ جو پیری میں بھی رہے
تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

از جمالت می تراود هر زماں شانے دگر
در خیالت می دمد هر دم گلستانے دگر

انقلابے ہست در ذرات و من ہم ہر نفس
ہر زماں دارم ز تو جسمے دگر جانے دگر

دل عطا کردی بمن قربان احسانت شوم
درد بخشیدی بہ دل ایں باشد احسانے دگر

تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر
اب شاعری وہ ہے جو ابھارے گناہ پر

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ میں خوش ہوں یا ملول
یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر

چہرے نے دی شہادت غم زرد تر ہوا
سختی یہ کیوں ہوئی میرے - سچے گواہ پر

جو دیکھا غور سے یہ بات ثابت ہو گئی آخر
وہی ظاہر وہی باطن وہی اول وہی آخر

وہی غالب ہے مجھکو ہوئی شرمندگی آخر
نہ مانا آپ نے اور خاطر اغیار کی آخر

وہاں الفاظ خضر رہ ہیں یاں معنی ہیں منزل پر
زباں کا انکو دعویٰ ہے تو مجھکو ناز ہے دل پر

سماعت گوش گل میں ہے نہ بینا دیدۂ نرگس
عجب کیا گریۂ شبنم جو ہے اس بزم غافل پر

مذہب کا ہو کیونکر علم و عمل دل ہی نہیں بھائی ایکطرف
کرکٹ کی کھلائی ایکطرف کالج کی پڑھائی ایکطرف

کیا ذوق عبادت ہو انکو جو مس کے لبوں کے شیدا ہیں
حلوائے بہشتی ایکطرف ہوٹل کی مٹھائی ایکطرف

طاعون و تپ اور کھٹمل مچھر سب کچھ ہے یہ پیدا کیچڑ سے
بمبے کی روانی ایکطرف اور ساری صفائی ایکطرف

مذہب کا تو دم وہ بھرتے ہیں بے پردہ بتوں کو کہتے ہیں
اسلام کا دعویٰ ایکطرف یہ کافر ادائی ایکطرف

ہر سمت تھے ہے اک امام بلا رہ سکتے ہیں خوش کسطرح بھلا
اغیار کی کاوش ایکطرف آپس کی لڑائی ایکطرف

کیا کام چلے کیا رنگ جمے کیا بات بنے کوں انکی سنے
ہے اکبر بیکس ایکطرف اور ساری خدائی ایکطرف

فریاد کئے جا اے **اکبر** کچھ ہو ہی رہیگا آخرکار
اللہ سے تو یہ ایکطرف صاحب کی دہائی ایکطرف

محفوظ ذہن رکھیں ہر دور ہم کہاں تک
اوراق ہسٹری میں نقش قلم کہاں تک

ہر قطرہ اور ذرہ ہے مورث حوادث
دفتر ترا کہانتک زور رقم کہاں تک

شخصی ہوں خواہ قومی سب حالتیں ہیں فانی
کبر و غرور کبتک جاہ و حشم کہاں تک

دیکھیں جو کچھ تو سمجھیں پائیں جو کچھ تو جانیں
کبتک چنا چنیں یہ قول و قسم کہاں تک

فطرت دکھا ہی دیگی ملحد کی بے ثباتی
عجز عرب کہانتک ناز عجم کہاں تک

ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے
انپر وثوق صحت اے محترم کہاں تک

اے چرخ بد دماغی کی تجھکو کیا ضرورت
ناکامیوں پر اپنی روئینگے ہم کہاں تک

نعمت سمجھ بلا کو ہے لذتِ تماشا
آخر یہ مخزنِ اشک اے چشمِ نم کہاں تک

کہتے ہیں دوست اکبر کو دیکھ کر یہ حسرت
ہے اسکا دم غنیمت لیکن یہ دم کہاں تک

قربِ منزل کا مجھے دیتے ہیں مژدہ کیا خضر
ضعف سے یاں تو ہے دو گام بھی چلنا مشکل

ناتوانی سے مٹا جاتا ہے آپس کا وہ میل
نبض کے ساتھ ہے اب سانس کو چلنا مشکل

ہیں ہوا پر کفر کے گیسو پریشاں اندنوں
کوے دل میں کیونکر آئے بوے ایماں اندنوں

علمِ دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضرِ رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں اندنوں

اپنے اشتر کو یہ کیا لیجائے گا سوے حجاز
مست خود ہے بینڈ کی گت پر حُدی خواں اندنوں

بڑھ رہا ہے کفرِ زلفِ علّت و معلول سے
حُسنِ فطرت ہے حجابِ روے یزداں اندنوں

شارحِ دیوانِ ہستی ہے قیاسِ مغربی
ہے ازل بھی تجربوں کے زیرِ فرماں اندنوں

یاد کرتا ہے گذشتہ با اثر لاحول کو
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطاں اندنوں

کفر نے سائنس کے پردے میں پھیلائے ہیں پاؤں
بے زباں ہے بزمِ دل میں شمعِ ایماں اندنوں

صورتِ امروز میں گم ہے نگاہِ ناتواں
نقشِ فردا چشمِ باطن سے ہے پنہاں اندنوں

زندگانی کی چمک سے دیدۂ عبرت ہے بند
کم نظر ہے جانبِ گورِ غریباں اندنوں

ہے اولیوشن[1] بس اک تفسیرِ رب العالمیں
کاش اس نکتہ سے واقف ہوں مسلماں اندنوں

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَان ہی پر ختم ہے قولِ فٹسٹ[2]
کیوں عبث برپا ہے اتنا شورِ طفلاں اندنوں

ہیں مشاغل محفلِ احباب کے ناگفتہ بہ
دم بخود بیٹھا ہے اکبر سا سخنداں اندنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے
دیکھ لو تو اُنکے یہاں مذہب کا ساماں اندنوں

جنکے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
اُنکی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

کان نے ہوش کو الجھایا ہے افسانوں میں — آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں میخانوں میں — واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں

شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے — آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں

نام اللہ رسول اب تو میں کم سنتا ہوں — پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

پڑھ کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے — خوب مضمون ہیں اللہ کے دیوانوں میں

گرمیِ دل جو ہے منظور تو منطق پہ نہ جا — عشق ہے آگ لگانیکے لئے جالوں میں

جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبر — مرد عاقل ہے وہی دہر کے مہمانوں میں

صاحب حسن مری آہ سے خوش رہتے ہیں — جس طرح اہل سخن واہ سے خوش رہتے ہیں

ہر مصیبت کی یہ توجیہ کیا کرتا ہے — اس لئے ہم دل آگاہ سے خوش رہتے ہیں

قابل قدر طبیعت ہے ہماری اکبر — ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

یہ نکتہ ہائے بصیرت افزا اجمال معنی میں کم نہیں ہیں — گو شکل ظاہر جو دیکھتے ہو ہمارا پرتو ہے ہم نہیں ہیں

کنارہ کش ہو گئے ہر اک سے نہ سو تعلق نہ سو تردد — خوشی نہیں ہے یہی ہے اک غم طرح طرح کے الم نہیں ہیں

کچھ آج علاج دل بیمار تو کر لیں — اے جان جہاں آؤ ذرا پیار تو کر لیں

منھ ہمکو لگاتا ہی نہیں وہ بت کافر — کہتا ہے یہ اللہ سے انکار تو کر لیں

سمجھے ہوئے ہیں کام نکلتا ہے جنوں سے — کچھ تجربۂ سبحہ و زنار تو کر لیں

سو جان سے ہو جاؤنگا راضی میں سزا پر — پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کر لیں

حج سے ہمیں انکار نہیں حضرت واعظ — طوف حرم کوچۂ دلدار تو کر لیں

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعویٰ اکبر — خیر اس سے ہے کیا بحث ہم اصرار تو کر لیں

یہ خیر اندیش بھی حاضر ہے مدّاحوں کے زمرے میں
ادھر بھی اک نظر اپنی خوش اخلاقی کے صدقے میں
تمہارے مصرعِ قامت کو لکھ کر کلکِ قدرت نے
دکھا دی خوبیِ انشا سے ہستی ایک جملے میں

اگر ڈھونڈو تو اکبر میں کبھی پاؤ گے ہنر کوئی
اگر چاہو نکالو عیب تم اچھے سے اچھے میں

کیا کہیں اوروں کو یہ ایسے ہیں وہ ایسے ہیں
سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں
جانتے ہیں کہ اجل سر پہ کھڑی ہے لیکن
محو ہیں انجمنِ دہر میں خوش بیٹھے ہیں
عقل حیران ہے پروانوں کی اس حالت پر
شمع کو حس نہیں یہ جان دئے دیتے ہیں

منہ دیکھتے ہیں حضرت احباب پی رہے ہیں
کیا شیخ اسی لئے اب دنیا میں جی رہے ہیں
میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
احباب اٹھ گئے سب اب کون ہم نشیں ہو
واقف نہیں ہیں جتنے باقی وہی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا مسوں کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

دل کو خود چھیڑے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں
چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں
جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں
زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں
سینے سے پرسوز آہیں اٹھتی ہیں اے ہمنشیں
لب پر آ کر یہ جو نکلیں بے اثر تو کیا کروں
ہے خطا میری جو نکلے منہ سے لفظِ آرزو
آنکھ سے نکلے محبت کی نظر تو کیا کروں
دیر کیسا دل ہی میں کر لیتے ہیں ہم بیت گزر
جلوہ گاہ انکا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

کھل گیا مجھ پر درِ دل اے حضور
غم نہیں گر آپ کا در وا نہیں
آ گیا فضلِ خدا سے فنِ صبر
اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

کروں اُنسے اسکا میں کیا گلا کہ توجہ انکی ادھر نہیں
ہر حال تو ہے یہ ہمنشیں کہ خود آپ اپنی خبر نہیں

گردشِ گردوں سے ہر دم وہمِ رنج افزا میں ہیں
یہ بھی اک سودا ہے ورنہ کیا ہمیں دنیا میں ہیں

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں
کیا سمجھتا وہ عالم دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

عالم ہے بیخودی کا مے کی دکان پر ہیں
ساقی یہ ہیں نگاہیں ہوش آسمان پر ہیں

دل اپنی ضد پہ قائم وہ اپنی آن پر ہیں
جتنی مصیبتیں ہیں سب میری جان پر ہیں

دنیا بدل گئی ہے وہ ہیں نہیں کہ ابتک
اپنے مقام پر ہیں اپنے مکان پر ہیں

میرا وہ دل نہیں ہے جو ہمنشین لب ہو
یہ آپ ہیں کہ ہر دم اپنی زبان پر ہیں

پامال ہیں مگر ہیں ثابت قدم وفا میں
ہم مثل سنگ در کے اس آستان پر ہیں

ابتک ہے یاد ہمکو اپنی بلند نامی
اب بھی مٹے ہوئے ہم مٹتے نشان پر ہیں

ہر در کو ہمنے پایا ہے جلوہ گاہ تیرا
نقش جبیں ہمارے ہر آستان پر ہیں

یہ صورتیں تمھاری یہ ناز یہ ادائیں
قربان اسے بتو ہم خالق کی شان پر ہیں

انداز وہ نظر کے جو آرزو کو روکیں
باتیں جو کردیں ساکت انکی زبان پر ہیں

شکر خدا کہ انکے قدموں پہ سر ہے اپنا
اسوقت کچھ نہ پوچھو ہم آسمان پر ہیں

یہ قطرہ ہاے شبنم ہیں زینت گل تر
یا موتیوں کی لڑیاں اس گل کے کان پر ہیں

ہر ذرّہ کوے عشق احمد کا کہہ رہا ہے
جو اس زمین پر ہیں وہ آسمان پر ہیں

ابتک سمجھ رہے ہیں دلمیں بچے مسلماں
قائم ہنوز یہ بت اپنے گمان پر ہیں

اسلوب نظم اکبر فطرت سے ہے قریں پر
الفاظ ہیں محل پر معنی مکان پر ہیں

اک نقش مٹ گیا ہے روتے نشان پر ہیں
دلمیں ہیں داغ حسرت قصّے زبان پر ہیں

خلقت میں جلوۂ حق پاتے ہیں اہل عرفاں
آنکھیں زمین پر ہیں دل آسمان پر ہیں

ہے دیدنی یہ گرمی بازار کافری کی
گاہک بنا ہے تقوی اب بت بھی دکان پر ہیں

کرتا ہوں میں جو آہیں کہتے ہیں یہ ہیں مہمل
یہ اعتراض انکے دلکی زبان پر ہیں

کرتی ہے بیخودی میں سوز درونکو ظاہر
اے شمع ہم تو عاشق تیری زبان پر ہیں

فریاد مرغ بسمل سمجھو تڑپ کو اس کی
اسوقت بے کسی میں گویا زبان پر ہیں

آزاد و بینوا ہیں کیسا مکان و مسکن
بس جس نے دل میں جا دی اسکے مکان ہیں

دیکھ اے نگاہ حیراں یہ عشوۂ حوادث
سے مول اُسے زلیخا یوسف دُکان پر ہیں

مرحوم دل بھی کیا تھا کیا حسرتیں تھیں اسمیں
ابتک کچھ اُسکی باتیں میری زبان پر ہیں

دنیا کی غفلتوں کی تصویر ہیں بگولے
بنیاد ہے ہوا پر سر آسمان پر ہیں

امید ہے دعا کی اہل سخن سے **اکبر**
میرے حقوق بھی کچھ اُردو زبان پر ہیں

وقابتوں میں نہیں ہے خدا کو پائیں کہاں
اسی فراق میں کٹتے ہیں دن کہ جائیں کہاں

سکون دل کی طلب میں اُٹھے ہیں گھبراکر
پہونچ رہیں گے کہیں تمسے کیا بتائیں کہاں

جنوں کی مشق بھی ہے عاقلی بھی آتی ہے
یہ سوچتے ہیں کہ کس فن کو آزمائیں کہاں

خرد نے رُخ تو کیا بحر معرفت کی طرف
بشر کے دل میں یہ موجیں مگر سمائیں کہاں

یہ کہہ کے خون جگر مانگتا ہے غم دل سے
کہ تیرے گھر میں رہیں رات دن تو کھائیں کہاں

اُمید بوسۂ ابرو و زلف و چشم کسے
مرے نصیب کہاں اور یہ بلائیں کہاں

مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہِ سیّد سے
قفس میں ہیں تو اس اڈّے کو چھوڑ جائیں کہاں

خدا کے واسطے دنیا سے دوستی نہ جوڑے ہیں
وہی ہیں مستند انساں مگر افسوس تھوڑے ہیں

مرے خط بے اثر ہیں اُس نگاہ تیز کے آگے
وہاں ہے تار بجلی کا یہاں کاغذ کے گھوڑے ہیں

بتوں پر دسترس آساں نہیں اے **اکبر** ناداں
چھوئے ہیں پاؤں انکے جب برسوں ہاتھ جوڑے ہیں

ہم کب شریک ہوتے ہیں دنیا کی جنگ میں
وہ اپنے رنگ میں ہیں ہم اپنی ترنگ میں

مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث
منطق شہید ہو گئی میدان جنگ میں

وہسکی کی بو سے شیخ کی چتون بدل گئی
اُنکی نظر بھی مل گئی ساقی کے رنگ میں

تحقیر مولوی کی نہ کرائے گریجویٹ
واللہ اب بھی فرد ہیں یہ اپنے ڈھنگ میں

بلبلِ دل کے لئے ہر داغ گلشن ہے یہاں
ہر نفس راہ جنوں میں گُل بدامن ہے یہاں

ہے تجلّی نورِ حیرت کی ہر آہِ شعلہ بار
ہر طپش سینے کی برقِ طورِ ایمن ہے یہاں

شعلہ ہائے غم سے ہے نشو و نمائے باغِ دل
دامنِ ابرِ کرم ہر برقِ خرمن ہے یہاں

راحت و آرام جاں پر ہے مقدّم یادِ دوست
راہِ غفلت جو چلے وہ سالک دشمن ہے یہاں

منزلِ ذوقِ نظر ہے سالکوں کو پُر خطر
عکس نقشِ عالمِ ایجاد رہزن ہے یہاں

شعلۂ غم سے دلِ سوزاں میں اک جاں آگئی
روح پرور اختلاطِ برق و خرمن ہے یہاں

کتابِ دل میں میرے عاشقانہ دیکھ کر مضموں
کیا اُس چشم نے ایما کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

مری بیتابیٔ دل پر ادا سے مسکراتے ہیں
قیامت کرتے ہیں بجلی پہ وہ بجلی گراتے ہیں

فانی ہے حسن ہستی یہ میں کیا جانتا نہیں
مشکل یہ آپڑی ہے کہ دل مانتا نہیں

فریاد ہی کے کاش طریقے ہوں منضبط
یک لخت ظلم کی بھی تو وہ ٹھانتا نہیں

اس انقلاب پر جو میں روؤں تو ہے بجا
مجھکو وطن میں اب کوئی پہچانتا نہیں

کس طرح چلوں رسول تو دنیا سے اُٹھ گئے
اللہ ہے سو اُسکو میں پہچانتا نہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

اکبر ہنوز اُن سے ہے اُمیدوار لطف
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جب وقف ہے زباں بتوں ہی کی واہ میں
دل بھی نہ رہ سکیگا خدا کی پناہ میں

بدلے ہی گا اک دن دورِ فلک مایوس یہ ناحق ہم تم ہیں
گلزار میں ہے پھولوں کی دمک افلاک پہ تاباں انجم ہیں

کیسا یہ اثر اس دور میں ہے ساقی کی نظر بھی غور میں ہے

جو مست ہیں انکو ہوش نہیں جو ہوش میں ہیں وہ گم صم ہیں
ہر حال میں ہے خالق پہ نظر ہم آپ میں نہیں ہیں اے اکبر
جب نعمت ہو تو منطق ہے جب آفت ہو تو گم صم ہیں

ظلم جتنے ہیں ہمیں پر دہ کئے جاتے ہیں
ہم بھی ایسے ہیں کہ اسپر بھی جئے جاتے ہیں

شیخ کے حق میں اُٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے
ظرف انھیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پئے جاتے ہیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں
جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں

شراب اُڑتی ہے پبلک میں رہا ہے خون تقویٰ کا
مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

وہ شرارت سے مرے گھر سرِ شام آتے ہیں
یہ دکھانا ہے کہ غیروں کے پیام آتے ہیں

غیر کے ذکر میں کرتے نہیں میرا وہ لحاظ
تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں

اعتبار اُنکا کر اکبر جو ہیں پابندِ نماز
ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں

وعظ کالج میں جو کہہ آتے ہیں اکثر اکبر
کیا یہ گرتی ہوئی دیوار کو تھام آتے ہیں

حور مس کو مئے گلگوں کو پری کہتے ہیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ اللہ یہ نور فلک و رنگ زمیں
سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں

حسن کے باب میں اکبر کی سنا ٹھیک نہیں
یہ تو ہر اک بت کمسن کو پری کہتے ہیں

میں نے دیکھی ہیں غزالوں کی بہت چالاکیاں
ہائے ان آنکھوں کی سی آنکھیں کہاں بیباکیاں

روک دیں آنکھیں حیا نے نشہ کی بیباکیاں
رہ گئیں میری تمنا کی وہ سب چالاکیاں

ایک گردش میں کیا خوں دو عالم کو مباح
چشمِ مستِ ناز کی اللہ رے سفاکیاں

صبحِ غم کو کر دیا افسردگی نے منجمد
ہو چکیں درد آشنا دل کی وہ سب تیزاکیاں

دیکھ تو لے دستِ ساقی میں مئے گلگوں کا جام
شیخ کی نیت کی رہ جائیں گی ساری پاکیاں

عیش باغ اکبر کا جو تھا اب وہ اک غمخانہ ہے
ذکر مرگ آرزو ہے اور گروہ باکیاں

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہو گیا ہوں
اب یاس سے بہت کچھ مانوس ہو گیا ہوں

کافی ہے سوز باطن انوار معرفت کو
اپنی ہی شمع دل کا فانوس ہو گیا ہوں

کتنی باتیں ہیں اس دور فنا میں ہو چکیں
ابتدائیں کتنی داخل انتہا میں ہو چکیں

سوچ تو دل میں تو اے مصروف حال صبح شام
کتنی صبحیں ہو چکیں اور کتنی شامیں ہو چکیں

فکر دنیا انبساط دل سے ہے نا آشنا
آپکی کلیاں شگفتہ اس ہوا میں ہو چکیں

ہر اک یہ کہتا ہے اب کار دیں تو کچھ بھی نہیں
یہ سچ بھی ہے کہ ہزا بے یقین تو کچھ بھی نہیں

تمام عمر بیابان خاک اڑا کے دیکھ لیا
اب آسمان کو دیکھوں زمین تو کچھ بھی نہیں

مری نظر میں تو بس ہے انھیں سے رونق بزم
وہی نہیں ہیں جو اے ہمنشیں تو کچھ بھی نہیں

حرم میں مجھکو نظر آئے صرف زاہد خشک
مکان خوب ہے لیکن مکیں تو کچھ بھی نہیں

ترے لبوں سے ہے البتہ اک حلاوت زیست
نبات۔ قند۔ شکر انگبیں تو کچھ بھی نہیں

دماغ اب تو مسوں کا ہے چرخ چارم پر
بڑھا دیا مری خواہش نے تمکیں تو کچھ بھی نہیں

یہ قول حضرت محشر کلام شاعر کا
پسند آئے تو سب کچھ نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کہتے ہیں کہ تمھیں ہو جو کچھ ہو اے اکبر
ہم اپنے دل میں ہیں کہتے ہیں تو کچھ بھی نہیں

ہے دلیلوں سے نہیں پیدا یقیں کیونکر کریں
سارا عالم کہہ رہا ہے ہاں نہیں کیونکر کریں

کسطرح دنیا کو چھوڑیں ہے بنائے زندگی
ہے مدار کار ہستی ترک دیں کیونکر کریں

مغربی علم و ہنر تو خوب ہے اکبر مگر
اپنی اس تعلیم پہ ہم آفریں کیونکر کریں

غضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزم ہستی میں
حقیقت پر نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں
فلک دیتا ہمیں کچھ اوج رخ کرتے جو پستی کا
خیالوں کی بلندی نے بٹھا رکھا ہے پستی میں

کسی کو یاں بقا نہیں - کوئی سدا رہا نہیں
یہاں کا رنگ ہی یہ ہے ہمیں تو کچھ گلا نہیں
ہمارا دور ہو چکا - زمانہ اب گیا بدل
جہاں کا وہ چلن نہیں - فلک کی وہ ادا نہیں
بڑے جو ہیں وہ بے ثمر - جو خرد ہیں وہ خیرہ سر
عطا نہیں کرم نہیں ادب نہیں وفا نہیں
جو مال ہی پہ ہے نظر - تو خوں ہے اور ترا جگر
مرض ہے جسکو حرص کا - کبھی اسے شفا نہیں
یہی تھی شرط عاشقی - کبھی مری خبر نہ لی
یہ کیا سبب نظر تری - مری طرف ذرا نہیں
غرور تھا نمود تھی - ہٹو بچو کی تھی صدا
اور آج تجھ سے کیا کہوں - لحد کا بھی پتا نہیں

بوسۂ زلف سیہ فام ملیگا کہ نہیں
دل کا سودا ہے مجھے دام ملیگا کہ نہیں
خط میں کیا لکھا ہے قاصد کو خبر کیا اسکی
پوچھتا ہے مجھے انعام ملیگا کہ نہیں
میں تری مست نظر کا ہوں دعاگو ساقی
صدقہ آنکھوں کا کوئی جام ملیگا کہ نہیں
قبر پر فاتحہ پڑھنے کو نہ آئینگے وہ کیا
جان دینے کا کچھ انعام ملیگا کہ نہیں
بو کسی سمت سے آتی نہیں ہمدردی کی
مجھکو مجھسا کوئی ناکام ملیگا کہ نہیں
جستجو ہی میں وہ لذت ہے کہ اللہ اللہ
کیوں میں پوچھوں وہ دل آرام ملیگا کہ نہیں

آرزو مرگ کی تم کرتے ہو اکبر لیکن
سوچ لو قبر میں آرام ملیگا کہ نہیں

جب خرابی کا نہیں باقی رہا غم کیا کریں
مرگ دل سے ہو گئی تسکین ماتم کیا کریں
تیغ قاتل چل رہی ہے اندلوں مثل نسیم
ہے بہار زخم دلکش فکر مرہم کیا کریں
مرشد دیکھیں سے تو رک جاتا ہے اپنا کام
ہاں مرید ابتک نہیں واقف ہوئے ہم کیا کریں
شیخ کے آگے نہ مے پینا نہیں از راہ خوف
گردن مینا کو اس کے سامنے خم کیا کریں
خوف حق عشق بتاں نازک ہیں دونوں مسئلے
سخت مشکل ہے زیادہ کیا کریں کم کیا کریں

کچھ مزا گیہوں کا کچھ حوّا کے کہنے کا خیال
آپ ہی کہئے کہ اسموقع پہ آدم کیا کریں

میری یہ بے چینیاں اور انکا کہنا ناز سے
ہنس کے تمسے بولتے ہیں اور اب ہم کیا کریں

بے وقت کا راگ ہے نہ سنئے
واعظ کو مگر جھنجھوڑیئے کیوں

اکبر سے نہ کہئے راہ سرجن
اُمید مریض توڑیئے کیوں

ہے تگاپو اسقدر ہر گز مگر کوئی نہیں
فرنیچر ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں

کہتی ہیں آہیں کرینگے تیرے دل کا ہم رفام
سب مگر شہرت طلب ہیں با اثر کوئی نہیں

کیمپ میں پاتا ہوں بارونکو جو کو دن بیشتر
یہ اثر ہے اصطبل کا ورنہ خر کوئی نہیں

اِدھر اُترا ہے چہرہ کوہکن کا کوہ پر چڑھکر
اُدھر کب تخت پر سے حضرت پرویز اُترے ہیں

حرم والوں سے کیا نسبت بھلا ہم اہل ہوٹل کو
وہاں قرآن اُترا ہے یہاں انگریز اُترے ہیں

مرے الفاظ کا رنگ آج مستانِ سخن دیکھیں
یہ شیشے بادۂ مضموں کے کتنے تیز اُترے ہیں

دہر میں سوختۂ گرمیٔ بازار نہ ہو
دل میں ہو خون تو سودا کا خریدار نہ ہو

نقش دل ہو صفتِ معنیٔ رنگیں یہ درست
رنگ ظاہر پہ نہ جا نقش بہ دیوار نہ ہو

جنگجوئی فصحا رکھ نہیں سکتے جائز
انکی خواہش ہے کہ لفظونکی بھی تکرار نہ ہو

سانس کیطرح چلے منزل ہستی میں بشر
مدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بیکار نہ ہو

نہیں آزاد جو اپنوں سے تعلق کرے قطع
وہ ہے آزاد جو غیروں کا گرفتار نہ ہو

سرو سے بھی رہو آزاد تر اس گلشن میں
نخل ہستی پہ ہرے برگ کا بھی بار نہ ہو

مقدرت شرط ہے ہر چند کہ ہو قدر شناس
بے بصیرت نہ سمجھ لو جو خریدار نہ ہو

بزم ہے شعلہ مزاجونکی سنبھل اے اکبر
برق خرمن کہیں یہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے بتو پھر خدا در پئے آزار نہ ہو
خیر راحت نہ سہی زیست تو دشوار نہ ہو

یارب ایسا کوئی بتخانہ عطا کر جس میں
ایسی گذرے کہ تصور بھی گنہگار نہ ہو

معترض ہو نہ مری عزت و خاموشی پر / کیا کروں جبکہ کوئی محرمِ اسرار نہو

کیا وہ مستی کہ دمِ چند میں تکلیفِ خمار / مست وہ ہے کہ قیامت میں بھی ہشیار نہو

جان فرقت میں نہ نکلے تو مجھے کیوں ہو عزیز / دوست وہ کیا جو مصیبت میں مددگار نہو

ناز کہتا ہے کہ زیور سے ہو تزئینِ جمال / نازکی کہتی ہے سرمہ بھی کہیں بار نہو

دل وہ ہے جسکو ہو سودائے جمالِ معنی / آنکھ وہ ہے کہ جو صورت کی خریدار نہو

دل پہ ہر داغ کو ارماں کہ گلے آنکھ لگائے / آنکھ کو یہ ڈر کہ گلے کا یہ کہیں ہار نہ ہو

عاشقِ چشمِ سیہ مست تو زنہار نہو / دیکھ اس جان کی گاہک کا خریدار نہو

ہر غبارِ رہِ الفت ہے مرا سرمۂ چشم / دل یہ کہتا ہے کہ یہ خاکِ درِ یار نہو

لن ترانی کی خبر عشق نے سن رکھی ہے / پھر بھی مشکل ہے کہ وہ طالبِ دیدار نہو

تمکو سودا ہے ستم کیوں ہے جو ہے شوق فروغ / کیا تلطف سببِ گرمیِ بازار نہو

قیمتِ دل تو گھٹانیکا نہیں میں **اکبر**
بے بصیرت نہیں ہوتا جو خریدار نہو

قلزم کی تہ ٹٹولو یا ابر شب میں جھولو / جب بھی یہی کہونگا اللہ کو نہ بھولو

زخمی کیا جو تم نے ترچھی نظر سے مجھکو / برچھی کا یہ تو پھل ہے اسپر بہت نہ پھولو

باغ و چمن چھڑایا دورِ فلک نے ہمسے / سائے میں اپنے ہمکو لیلو اب اے ببولو

خاکی نہاد ہم ہیں مائل ہیں خاک ہی پر / شعلوں سے کوئی کہدے تم آسمان چھولو

برباد و منتشر بھی ہو گے اسی ہوا سے / کس زعم میں اٹھے ہو تن کر تم اے بگولو

ہنگامۂ جہاں سے آزردہ ہو گے **اکبر**
گوشے میں جا کے بیٹھو اور جام نوش ہو لو

ہو اگر ہمتِ عالی دلِ آگاہ کے ساتھ / غیر ممکن ہے محبت نہو اللہ کے ساتھ

طفلِ دل چھوڑے نہ دامانِ قناعت ہرگز / یہی بہتر ہے رہے اپنے بہی خواہ کے ساتھ

اوس ترقی کو ترقی میں کہونگا اکبر
خود بھی بڑھتے رہیں احباب جو تنخواہ کیساتھ

سب بے بصیرت پہ ہدایت نے کیا کچھ نہ اثر
ہے یہ افسوس کہ آنکھیں نہ کھلیں راہ کے ساتھ

رنگ تیرا ہمیں مطبوع نہیں اے دُنیا
تجھ میں ہم جی تو رہے ہیں مگر اکراہ کیساتھ

دوست کہتے ہیں تغزل نہیں تجھ میں اکبر
دل لگانا ہی پڑا اب بتِ گمراہ کے ساتھ

دیکھئے ربطِ نسیمِ سحر و غنچۂ و گُل
یونہیں دل کھول کے ملتے ہیں ہوا خواہ کیساتھ

شورِ تحسین تو سخن پر ہے تمہارے اکبر
زر کی جھنکار بھی سنتے ہو کہیں واہ کیساتھ

ہو گیا عشق تری زلف گرہگیر کے ساتھ
سلسلہ دلکا ملا تھا اسی زنجیر کے ساتھ

لذتیں کرتی ہیں انسان کو دنیا میں ہلاک
زہر دیتی ہے یہ ظالم شکر و شیر کے ساتھ

پیار کے ساتھ خوشامد بھی کرونگا شبِ وصل
ہے یہ لازم کہ دعائیں بھی ہوں تدبیر کیساتھ

جنبشِ ابروے قاتل کا اشارہ ہے یہی
کام چلتا ہے جو دنیا میں تو شمشیر کے ساتھ

عمر زنداں میں کٹی شوقِ رہائی رخصت
ہو گیا اُنس مرے پاؤنکو زنجیر کے ساتھ

یاں کے معشوق تو نکو مرشد نہ کریں کیوں آزاد
زہرہ جب ناچ رہی ہے فلکِ پیر کیساتھ

مست ہے نغمۂ بلبل سے چمن میں اکبر
آپ محفل میں سنیں راگ مزامیر کے ساتھ

میری تقدیر موافق نہ تھی تدبیر کے ساتھ
کھل گئی آنکھ نگہبانکی بھی زنجیر کے ساتھ

کھل گیا مصحفِ رخسار بتانِ مغرب
ہو گئے شیخ بھی حاضر نئی تفسیر کے ساتھ

ناتوانی مری دیکھی تو مصوّر نے کہا
ڈر ہے تم بھی کہیں کھنچ آؤ نہ تصویر کیساتھ

ہو گیا طائرِ دل صیدِ نگاہِ بے قصد
سعی بازو کی یہاں شرط نہ تھی تیر کیساتھ

لحظہ لحظہ ہے ترقی پہ ترا حُسن و جمال
جسکو شک ہو تجھے دیکھے تری تصویر کیساتھ

بعد سید کے میں کالج کا کروں کیا درشن
اب محبت نہ رہی اس بتِ بے پیر کیساتھ

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں اکبر
ناسخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کیساتھ

…ت پروانہ یہ کہتا تھا عجب ناز کے ساتھ
خضر کا کام نہیں سالکِ جانباز کے ساتھ

…ان مذہب پہ رہا فلسفہ حیران مدام
اسقدر جوشِ جنوں اور اس اعزاز کے ساتھ

کیا ہوا کوئی جو اکبر کا ہم آہنگ نہیں
باغ میں نغمۂ بلبل بھی نہیں ساز کے ساتھ

…ھکو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ
کیا زندگی گذر نہ سکے جب خوشی کے ساتھ

…لق نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا
کیا کیا مصیبتیں ہیں غریب آدمی کے ساتھ

…یہ ابرِ زلف یہ برقِ نظر معاذ اللہ
اگرچہ سین ہے دلکش مگر معاذ اللہ

…میں کیا کہوں شبِ فرقت میں مجھپہ کیا گذری
عجیب حال رہا رات بھر معاذ اللہ

…توں کے عشق میں کیا کچھ نہیں کیا میں نے
بہت رہی ہے لبِ شیخ پر معاذ اللہ

…طلسمِ حسن بتاں کے نہ پوچھئے احوال
ذہن کا ذکر ہی کیا ہے کمر معاذ اللہ

…جنابِ شیخ پھر آخر بسر کروں کیونکر
جدھر اٹھاتا ہوں آنکھیں ادھر معاذ اللہ

…جو منھ لگائے وہ بت شیخ بھی پڑھیں الحمد
یہ دور ہی سے ہے بس اسقدر معاذ اللہ

فریب چشم ہے خواں جہاں کا رنگ اکبر
(مرزا زبان کا فتنہ) اثر معاذ اللہ

…یہ عمر یہ حسن اور ناز و ادا۔ اسپر یہ سنگار اللہ اللہ
مستی نگہ آفت کی جگہ۔ سینے کا ابھار اللہ اللہ

…گیسوئے پیچاں دامِ خرد یہ نرگسِ فتاں دشمنِ دیں
یہ عارضِ رنگیں غیرتِ گل ہستی کی بہار اللہ اللہ

…دیا و گلیں ترے کندن کی دمک بالوں میں ترے عنبر کی مہک
سینے پہ جواہر کی یہ چمک اور اسپر یہ ہار اللہ اللہ

…ری ہوئی زلفیں دامِ بلا۔ یہ جنبشِ مژگاں تیرِ قضا
تقوی کی عدو یہ بغزشِ پا یہ رنگ خمار اللہ اللہ

…سو خامۂ قدرت نازاں ہے ہر چشم تماشا حیراں ہے
اس صفحۂ عنصر خاکی پر یہ نقش و نگار اللہ اللہ

اسلام میں اکبر کو یہ غلو یہ رنگ ورع یہ زہد کی لو
اور اُس بتِ کافر کا اُنکو یہ عشق یہ پیار اللہ اللہ

کیا رہے دور فلک میں کوئی تمکین کیساتھ
غرب کی مدح بھی ہے شرق کی تحسین کیساتھ
اس تماشاگہِ ہستی میں مجھے حیرت ہے
شیخ ڈرتے ہیں کہیں دم نہ نکل جائے مرا
مخلصانہ جو نہ ہو مدح تو کیا لطف آئے
دل دیا۔ مال دیا پیار کیا انکو مگر

جب زمانہ نہ چلے ایک ہی آئین کیسا
ہم پیا تو بھی بجانے لگے اب بین کیسا
اک نیا فلسفہ ہو جاتا ہے ہر سین کیسا
اُنس اس وجہ سے کم رکھتے ہیں یاسین کیسا
چشمِ غماز کی گردش بھی ہے تحسین کیسا
ان بتوں کو وہی کاوش ہے مرے دین کیسا

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
سوچ تجھکو ہے اگر آیندہ پالیٹکس کی
شوقِ طول و پیچ اس ظلمت کدہ میں ہے اگر
دل یہ کہتا ہے کہ ہجرت ہند سے لازم ہے اب
حسنِ مس پر کر نظر مذہب اگر جاتا ہے جائے

حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ
لے نتائج سے مدد اور ہسٹری میں فال دیکھ
بات بنگالی کی سن بنگالیوں کے بال دیکھ
عقل کہتی ہے کہ اکبر اور دو ایک سال دیکھ
قدرداں کو نرخ کی کیا بحث اکبر مال دیکھ

ہنر سے بھی فوائد ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے
حکومت ایشیا پر قسمتِ مغرب میں ہے جبتک
اثر ہے طاعت و حسنِ عمل کا گو کہ قسمت پر

سبب یہ ہے کہ ہم آپس میں یکدل ہو نہیں سکتے
کمالات اُسکے جو ہیں ہمکو حاصل ہو نہیں سکتے
مگر اُس انجمن میں لوگ داخل ہو نہیں سکتے

معین ہی نہیں جنکے اصول و ماخذ اے اکبر
قیامت تک وہ سرداری کے قابل ہو نہیں سکتے

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے
حرص گھٹ جائے وہی نعمتِ عظمیٰ ہو گی
اسی مٹی کو دیکھ اکبر اگر ذوقِ تعقل ہے

رنج بیدا ابھی جمع ہو دل میں تو اتنا نہ بڑھا
میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھا
کہیں ٹہنی کہیں پتی کہیں غنچہ کہیں گل

انساں وہی آنکھیں وہی جینا وہی مرنا
کہیں اللہ اکبر ہے کہیں الحاد کا غل ہے

گلستانِ سخن ہے بزم ساقی فیضِ معنی سے
زبانِ خامۂ اکبر ہے یا منقار بلبل ہے

ور ہے مجھے شکوۂ بیداد بتاں ہے
للہ بتا دے کوئی اللہ کہاں ہے

ہوں شاہ جنونکی کی خوش انتظامی سے
خدا بچائے مجھے ہوش کی غلامی سے

ان لکھنو کے بگولے کیطرح اٹھتے ہیں
تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے

ٹھے گا فتنۂ محشر تو انکا کیا نقصان
وہ باز آئینگے کیوں مشق خوشخرامی سے

رنگ دیکھے جہان فانی کے
کھیل ہیں دور آسمانی کے

شیخ سے مجھے اب نہیں ہے بگاڑ
ہو چکے ولولے جوانی کے

ور ہوں دور انکی دانش سے خدا کی ذات ہے
خرد بیں اور دوربیں تک انکی بس اوقات ہے

تکلف آنکھیں سکے لئے سیکھئے
فقیروں کی کیا ہے جہاں پڑ رہے

بتوں سے بھی لڑتی نہیں یاں تو آنکھ
برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے

ب ہے حق کی تو مل آگے ہے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

ے نہیں ہیں زلف کے حلقے ہیں جال کے
ہاں اے نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کے

کا ہو پہنچے ہیں تا کمر جو ترے گیسوے رسا
معنے یہ ہیں کمر بھی برابر ہے بال کے

س و کنار و وصلِ حسیناں ہے خوب شغل
کمتر بزرگ ہونگے خلاف اس خیال کے

مت سے تیرے صانعِ قدرت نے اے حسیں
دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے

ے سوزن دماغ عشق کے جلوے سے یہ بڑھی
رکھتا ہے ہوش بھی قدم اپنا سنبھال کے

ں دات مقدمہ ہے مصیبت کا دہر میں
سب شمع کو جلاتے ہیں سانچے میں ڈھال کے

ذرہ ئی حق کے سامنے کیا اصل این و آں
پتلے یہ سب ہیں آپ کے وہم و خیال کے

ارچیکے اٹھتا ہے ہر طالبِ فروغ
دور فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے

پیچیدہ زندگی کے کرو تم مقدمے
دکھلا ہی دے گی موت نتیجہ نکال کے

دلکش صدائے صور تو ایسی نہ تھی مگر
تعظیم حشر کے لئے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

تہذیب مغربی کی بھی ہے وارثِ غضب
ہم کیا جناب شیخ بھی چکنے گھڑے ہوئے

نکل جائے دم غم سے جب آہ نکلے
مصیبت میں ہوں کوئی تو راہ نکلے

میں سمجھا تھا گنجِ قناعت کا ساتھی
مگر آپ تو شایقِ جاہ نکلے

مزاج شریف اُنکیں باقی نہیں ہے
تو کیا مُنھ سے الحمد للہ نکلے

ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں
وہ دل ہی نہ ہونگے کہ یہ آہ نکلے

دل زُلف کے کوچے میں شاداں نہ رہا پھر کے
صد شکر کہ بچ نکلا احسان سے کافر کے

ایمان کے دشمن ہیں جلوے بتِ کافر کے
فتنے تو ذرا دیکھو ترکیب عناصر کے

اے غولِ ہوس کبتک یہ شمع فریب آخر
رہرو تو ترے سب ہیں ظلمت ہی میں ہر کے

بھائے جو نہ ہم تجھکو کر ناز نہ اے دنیا
ہم عرش پہ پہونچے ہیں نظروں سے تری گر کے

باطن نہ کرے تیرہ مقبول ہے وہ ظاہر
رکھتے ہیں نظر ہم بھی منکر نہیں ظاہر کے

گذرے جب ادھر سے وہ سرگرمِ فغاں تھا میں
تسکین تو کیا دیتے دیکھا بھی نہیں پھر کے

اسٹیج پہ دنیا کے کیا سین دکھاؤ گے
کیا لطف اُٹھا پردہ دریچے سے اگر سرکے

دنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے

حصے میں بتوں ہی کے آئی تری عمر اکبر
اللہ کو اب دیدے دو دن تو یہ آخر کے

میں شیفتہ ہوں آپ سے تیرے شکلِ حسیں کا
حیراں ہوں مرے کام سنور کیوں نہیں جاتے

جب کہتا ہوں مرتا ہوں مری جاں میں تم پر
فرماتے ہیں مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے

وہ کہتے ہیں ہاں شہر میں پھرنے لگے پہرے
پوچھے کوئی اکبر سے یہ گھر کیوں نہیں جاتے

ن راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی
جس حسیں سے مل گئیں آنکھیں محبت ہو گئی

غ ہستی میں مری ناکامیوں کا رنگ دیکھ
جو تمنا دلمیں آئی داغ حسرت ہو گئی

و دیا تمکین دیں کو تو نے اے شوق نمود
عزتِ اصلی نثارِ نامِ عزت ہو گئی

ج و مساز پیا لو ہو کے بھولے اپنی ئے
گو سریلے ہو گئے لیکن بری گت ہو گئی

ہر جنبشِ نگاہِ خرد اک حجاب ہے
عارض پر انکے جلوۂ ہستی نقاب ہے

آرام کی تلاش نے رکھا ہے بیقرار
ہر خواہشِ سکون سبب اضطراب ہے

روح مذہب قلب عارف نہ شاعرانہ زبان باقی
زمیں ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی

ب گذشتہ کے ساز و سامانکے اب کہاں ہیں نشان باقی
زبانِ شمعِ سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی

ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رخصت گمان باقی

ول ہے انکی بدرماغی کہاں ہے فریاد اب لبوں پر
یہ وار پر وار اب جبکہ ہیں کہاں بدن میں ہے جان باقی

ی اپنے مٹنے کے غم میں نالاں وہ زمانہ ہے شاد و خنداں
اشارہ کرتی ہے چشمِ دوراں جوان باقی جہان باقی

لئے رہ گئی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں
سکون وہ باتیں جو ہوش اڑائیں اسلئے ہیں کان باقی

تعجب آتا ہے طفل دل پر کہ ہو گیا مست نظم اکبر
ابھی مڈل پاس تک نہیں ہے بہت سے ہیں امتحان باقی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

تجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے

ں مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
مقصود ہے اس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے

ے شوق وہی مے پی۔ اے ہوش ذرا سو جا
مہمانِ نظر اس دم اک برقِ تجلی ہے

ں دلمیں کہ صدمے دو یاں جی میں کہ سب لو
انکا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے

ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

روح میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہمکو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا
برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے

سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعت حق لازم
ہاں ترکِ مے و شاہد یہ اُنکی بزرگی ہے

دیکھیں پروانے کو دعووں پہ اُبھرنے والے
عشق اُسے کہتے ہیں یوں مرتے ہیں مرنے والے

نہ رہا یاد اُنھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں
کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنے والے

تیز رفتار نہ ہو اسقدر اے موجِ فنا
تجھ میں کچھ قطرے ہوا سے ہیں اُبھرنیوالے

حیرت انگیز ہے یہ رعبِ بتاں اے اکبر
اُن سے اب ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنیوالے

جلوۂ گل نے چمن میں مجھے بے چین کیا
مل ہی جاتے ہیں تری یاد دلانے والے

دیدنی آج ہے اس بزم میں دنیا کا جمال
دم بخود بیٹھے ہیں عقبیٰ سے ڈرانے والے

چشمِ بد دور حسینوں کی ہے ترقی تجھ میں
کیوں ہو مست ہیں خود ہوش میں لانیوالے

آج بنگلے میں مرے آئی تھی آوازِ اذاں
جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے

نہ انہیں ساز کی حاجت ہے نہ سامع کی تلاش
خوب ہیں فصلِ بہاری کے یہ گانے والے

تیغِ قاتل نے یہ کیا اپنے دکھائے جوہر
سر بکف پھرتے ہیں اب جان چرانے والے

ذوقِ عرفاں جو نہ ہو بادہ پرستی اچھی
ہوش اگر دین سے غافل ہو تو مستی اچھی

بت جو مہنگے ہیں تو ہم یادِ خدا کیوں نہ کریں
ہم غریبوں کو وہی شئے جو ہے سستی اچھی

بحث اس وقت نہیں مقبرہ و مسجد کی
مگر الحاد سے ارواح پرستی اچھی

شیخ ہوں شہر میں اور کیمپ میں سید ہوں یہ کیا
جسمیں مل جل کے رہیں سب وہی بستی اچھی

مریدِ دہر ہوئے وضع مغربی کر لی
نئے جنم کی تمنا میں خود کشی کر لی

نگاہِ نازِ بتاں پر نثار دل کو کیا
زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کر لی

جو حسن بت کی جگہ حکم میں ہوا قائم
تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کر لی

زوال قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب
تجارت آپ نے کی ترک نوکری کر لی

شکوۂ بیداد سے مجھکو تو ڈرنا چاہئے
دل میں لیکن آپ کو انصاف کرنا چاہئے

ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب
اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہئے

ہے سامانِ خود آرائی ہے لیکن اے عزیز
جسکی صورت خوب ہو اُسکو سنورنا چاہئے

ں نہ لوں نام خدا اُس بت کی صورت دیکھکر
لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کے مرنا چاہئے

ہر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد
ہجر کی شب کو بھی اے گردوں گذرنا چاہئے

عاشقی میں خندہ روئی سالکوں کو ہے محال
ہے یہی منزل کہ چہروں کو اُترنا چاہئے

ہر عمل تیرا ہے اکبر تابع عزم حریف
جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نہ کرنا چاہئے

ی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی
دعا کرو نہ مری عمر کی درازی کی

لک نے ہمسکو کیا منتخب مٹانے کو
ہمیں سے داد بھی چاہیں خوش امتیازی کی

ریب ایسا ملا نسخہ قوم بازی کا
کہ قدر اُٹھ گئی دنیا سے عشق بازی کی

ت خلوص سے حاضر رہا میں خدمت میں
مگر حضور نے مجھ سے زمانہ سازی کی

ل کیا ہو کسی کو بنائے مسجد کا
کہ سجدوں کو ضرورت ہے اب نمازی کی

بشمہ بینش نظر ہیں وضو شکن منظر
اس انجمن میں نبھے کسطرح نمازی کی

ہم اپنے حال پہ افسوس کیا کریں اکبر
خدا نے شان دکھائی ہے بے نیازی کی

ا ہے راگ بھونرے کا ہوا کی ہے نئی دھن بھی
غضب ہے سال کے بارہ مہینوں میں یہ پھاگن بھی

ک حسن گل یہ نغمہ مستانۂ بلبل
اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ دیکھ بھی سن بھی

ے درشن تمہارے ہو گئے راجا کے سیوا سے
اگر من کا پھنپنا چاہتے ہو تو کرو پن بھی

ہوئے روشن یہ معنی چاند کیوں شاعر کو پیارا ہے	کمال اسمیں یہ ہے عارض بھی ہے ابرو بھی ناخن بھی
جوش میں لائے صبا جسکو وہ خوں اچھا ہے	بوئے گل جسکو ابھارے وہ جنون اچھا ہے
جوش میں آئے جو قرآن سے وہ خوں اچھا ہے	کفر پر غصہ دلائے وہ جنون اچھا ہے
دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اسکی جھلک	بہر تاثیر محبت یہ شگون اچھا ہے
ہاتھ اٹھائینگے نہ یہ دامن منصوری سے	اہل تہذیب کو دنیا میں یہ دون اچھا ہے
دو پہر کو مرے گھر آئی مس رشک قمر	کہدیا میں نے کہ یہ لون کا موں [illegible]
مرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ ٹوٹا ہے	خدا ہی اسنے سمجھیگا خدا کے گھر کو ٹوٹا ہے
خوشی کا رنگ ہے دل میں نہ سر سبزی امیدوں کی	ہمارا باغ ویراں ہوگیا گل ہے نہ بوٹا ہے
ترے کوچے میں دل نالاں اگر ہے دین سے چھٹکر	تعجب کیا ہے اسمیں مدتوں کا ساتھ چھوٹا ہے
تو نے کب دل کی مری اے بت عیار سنی	جو سنی بات بلا کر سر دربار سنی
چھوڑ اس بحث کو کچھ اور بیاں کر اکبر	یہ کہانی تری یاروں نے تو سو بار سنی
ابھرا ہے رنگ سودا دیوانگی ہری ہے	ہے جوش موسم گل جو پھول ہے پری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت	یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے
دور گردوں میں کسی نے میری غمخواری نہ کی	دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی
شہر کا سودا ہو لیکن ذوق جمال دوست ہیں	ہمنے بازار جہاں میں کچھ خریداری نہ کی
غم دیا اپنا مگر پروائے غمخواری نہ کی	دلستانی آپ نے فرمائی دلداری نہ کی
قہقہوں کے مشق سے میں نے نکالا اپنا کام	جب کسی نے قدر آہ و نالہ و زاری نہ کی
شوق کی مستی میں میں دیوانہ ہو کر رہ گیا	حسن کے نشہ نے اسپر بیہوشی طاری نہ کی
کوئے جاناں کا پتہ دے کر میں پہونچا خلد میں	مجھسے کچھ رضواں نے بحث ناجی و ناری نہ کی
شیخ بھی کھلکے مریدوں کو جو دیکھا منتشر	جب محیط آوارہ تھا مرکز نے خودداری نہ کی
وقت سائے کا ابھی آیا نہیں مغرب ہے دور	کیوں پسند اس برق وش نے مشرقی ساڑی نہ کی

جامہ زیبوں کی نظر بھی دلقِ اکبر پر پڑی
شان ہی کچھ اور تھی اس خرقۂ پارینہ کی

ایک صوتِ سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے ۔۔۔ ورنہ ہر ذرہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

مستئ نشو و نما ہے فصلِ گل کا جوش ہے ۔۔۔ ہے ہوا میں فیضِ ساقی ہر کلی مے نوش ہے

بزم میں ایماے چشمِ ساقئ مے نوش ہے ۔۔۔ وہ بہک جانیکے خطرے میں ہے جسکو ہوش ہے

شوقِ وصلِ شعلۂ خوباں کیوں نہو برسات میں ۔۔۔ ابر کو بھی دیکھتا ہوں برق در آغوش ہے

حال میری بیقراری کا بھی کچھ سن لیجئے ۔۔۔ یہ بھی اک آویزہ ہو بجلی جو زیبِ گوش ہے

تابکے دیدِ حسیناں ؟ تابکے وارفتگی ۔۔۔ آنکھ میں جبتک نظر ہے سر میں جبتک ہوش ہے

آئینے سے بھی وہ بچتے ہیں کہ پڑ جائے نہ عکس ۔۔۔ شرم کہتی ہے کہ یہ بھی صاحبِ آغوش ہے

کیوں نہ اپنے بل پہ نازاں ہو وہ زلفِ پرشکن ۔۔۔ اسکی خود بینی کو آئینہ صفاے دوش ہے

ہے اگر امید فرداہی پہ صرف اسکی بنا
کل نہو گا آج اکبر کے جو دل میں جوش ہے

نورِ باطن کی تجلی حرصِ دنیا میں کہاں ۔۔۔ دامنِ طولِ امل اس راہ میں حق پوش ہے

جسکے آنکھیں ہیں وہ ہے دیوانہ چشم آفریں ۔۔۔ عالمِ عرفاں میں جو ذی ہوش ہے بیہوش ہے

جب ضرورت ہوگی تقویٰ کی تو دیکھا جائیگا ۔۔۔ اب تو بزمِ مغربی ہے اور نوشا نوش ہے

انکا تیر پالسی اور شیخ و بابو کا گریز ۔۔۔ خوب ہی لطفِ شکارِ روبہ و خرگوش ہے

اتحادِ باہمی اس ملک میں آساں نہیں ۔۔۔ کوئی سرسید ہے کوئی بابو آشو توش ہے

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں ۔۔۔ ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

حضرت منصورؒ اب بھی کہہ رہے ہیں حق کیساتھ ۔۔۔ دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

مفلسی میں بھی تکلف دوست ہے طبعِ بلند ۔۔۔ سرو بستاں بے بضاعت ہے مگر خوش پوش ہے

دشمن بھی ہیں۔ افسوس میں۔ یارب یہ ہے۔ حالت مری
جینا اب تو۔ دشوار ہے۔ کب آئے گی۔ ساعت مری

طاقت ہو نہ۔ جب ضبط کی۔ تو اظہار غم کیوں نہ ہو
ہردم اب تو۔ آتش فگن۔ سینے میں ہے۔ حسرت مری

شوخی اسکی۔ دیکھو ذرا۔ مجھ پر ظلم۔ بیحد کیا
پوچھا میں نے۔ کیوں ہے ستم۔ بولا یہ ہے۔ عادت مری

پہلو میں وہ۔ ہونگے کبھی۔ خوشیوں کی۔ گھڑی آئے گی
جاگے ہی گی۔ اک وقت میں۔ سوتی گو ہے۔ قسمت مری

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہیئے		اس دور عہد میں اُسے جینا نہ چاہیئے
تا دیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل		بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے
میں بت کا ہو رہا تو عبث شیخ کو ہے رنج		ایسے معاملات میں کینا نہ چاہیئے
دنیا میں امر حق کو کس طرح صاف کہئے		کرتا ہے دشمنی وہ جسکے خلاف کہئے
یہ سرسری اشارا کافی نہیں ہے حضرت		اپنی زبان سے بھی لفظ معاف کہئے
بے دشمن دین راحت دنیا ہے تو کیا ہے		قاتل ہو کوئی آنکھ تو جینے کا مزا ہے
ساتھ یاروں کے ہماری راحت دل اُٹھ گئی		ایک کا ذکر کیا محفل کی محفل اُٹھ گئی
قتل ہونے کی کسے امید تھی قسمت کی بات		اتفاقاً میری جانب چشم قاتل اُٹھ گئی
زلف میں دل کی گرفتاری بُری		سب مرض اچھے یہ بیماری بُری
ہوش سے عاشق کو بچنا چاہیئے		راہ دل میں یہ گرانباری بُری

آج سنئے آگئے اکبر سے کبیر
شیخ جی ہوں میں خود داری بُری

رُکتے ہیں دست دعا اُٹھتے ہوئے		ہے جو ہونا کیوں رہیگا بے ہوئے

کچھ بھی ہمدردی جوانوں سے نہیں
ناچ ہے مغرب کا بزمِ دہر میں
نام یوسف سے ہوا یعقوب کا

شیخ صاحب اب بہت بوڑھے ہوئے
چھوٹتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے
یوں تو حضرت کے بہت بیٹے ہوئے

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
واللہ ستم ہے یہ تکلف
سکّہ ہے کھرا مرے سخن کا

دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے
کھایا کیا تم نے چکھ لیا ہے
سب نے اسکو پرکھ لیا ہے

لن ترانی سے عیاں انوار پنہاں ہوگئے
ایک فقرے میں ہزاروں طور پنہاں ہوگئے
اے صبا اس باغ میں تیرا عمل ہے مشتبہ
ہنس دیئے گل ہوکے غنچے یا پریشاں ہوگئے
اس نے آنکھوں کے اشارے سے بڑھایا دل مرا
خواب میں دیکھا تھا وہ کافر مسلماں ہوگئے
ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم
ضعف کے اسباب عزت کے نگہباں ہوگئے
صبر خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہوگئے
ہوگیا آخر شکستِ دل سے کارِ دیں درست
داغ سینے کے چراغِ راہِ عرفاں ہوگئے
جلوہ ہائے منظرِ ہستی ہیں راحت میں مخل
فہم جب یکجا ہوے خواب پریشاں ہوگئے
جو کہا اُس نے کیا منقول کیا حرفِ نفی
ہم سراپا اب تو اُس محفل میں جی ہاں ہوگئے
ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر اچھو
آپ خوش قسمت تھے بندر سے جو انساں ہوگئے
ناز تھا اُنکو بہت اپنی بدن کی ساخت پر
اگزبیشن میں مرے اک دوست عریاں ہوگئے
صورتِ لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوانِ قیس
شاعری آئی نہیں لیکن زباں داں ہوگئے

کھوئے جاتے ہیں ہم خود اپنی نظروں سے ستم یہ ہے
بدل جاتے تو کچھ رہتے مٹے جاتے ہیں غم یہ ہے
طریقِ نو کو کیا سمجھا ہے تو منزل ترقی کی
نگاہِ بینش میں ہیں جادۂ راہِ عدم یہ ہے
تحمل نالہ و فریاد کا اُس سے کہاں ممکن
نہ سمجھیں برہم مری افسردگی پر منتقم یہ ہے
نہ بے مہری کا شکوہ ہے نہ ہے سوزِ غمِ فرقت
تعارف آپ سے کیوں ہوگیا رنج و الم یہ ہے

کہانتک رشک اکبر ساقئ بزم حریفاں پر
سنبھالو دل کو تم اپنے تمھارا جام جم یہ ہے

جاری طریق فضل و عطا سب کیساتھ ہے
دیکھو جو غور سے تو خدا سب کیساتھ ہے
بیحد رسا ہیں گیسوئے دنیائے دوں کے پیچ
سب انہیں ہیں پھنسے یہ بلا سب کے ساتھ ہے
کمبخت دل کو کیوں ہے لگاوٹ انھیں کیساتھ
انکو تو شوق ناز و ادا سب کے ساتھ ہے

اُنھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات اُن کی
اُنھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی
سُنے جو اس کو اُسے تحیّر جو اسکو برتے اُسے تردد
ہماری نیکی اور اُنکو برکت عمل ہمارا نجات اُن کی

بھلا دو میرے مُنہ سے بات اگر کوئی بُری نکلی
یہ بیدردی ہے کہنا آہ بسمل بے سُری نکلی
عدو جمعیت ملّت کا جو ہو طعن تھی اُسپر
یہ کیا سمجھا عزیزوں نے جھی پر کیوں چھری نکلی
عرب کہتے تھے تم جسکو وہ کمسریٹ کا خچر تھا
جسے شائستگی سمجھے تھے آخر گُرگری نکلی
مجھے اس درس سے خواہش تھی روحانی ترقی کی
یہاں ہر چیز لیکن مادی و عنصری نکلی

بتوں سے میل۔ خدا پر نظر یہ خوب کہی
شب گناہ و نمازِ سحر یہ خوب کہی
فٹن نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی
تمھاری خاطرِ نازک کا ہے خیال فقط
وگرنہ مجھکو رقیبوں کا ڈر یہ خوب کہی
جنابِ شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول
نگاہ یار رہے بے اثر یہ خوب کہی
شباب بادہ و فکرِ مآل کار چہ خوش
جنون عشق و خیالِ خطر یہ خوب کہی
سوال وصل کروں یا طلب ہو بوسے کی
وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر یہ خوب کہی

حرفِ مطلب کی رسائی کیوں زباں تک ہو سکے
دل کو خودداری سکھا اکبر جہانتک ہو سکے
وعدۂ اقرارِ مفصل کا تو کرتے ہو مگر
دیکھ لینا وقت پر تم سے جہاں تک ہو سکے

سن رہا ہوں شوق سے دنیا کے قصّوں کو مگر
دیکھئے رہنا جو ختمِ داستاں تک ہو سکے
نالہ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر
صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے
شاخِ گلِ تر سوکھ کے اب ٹوٹ رہی ہے
اس قوم سے وہ عادتِ دیرینۂ طاعت
بالکل نہیں چھوٹی ہے مگر چھوٹ رہی ہے
وہ راہ شریعت کی جہاں بچھتی تھیں آنکھیں
یہ کفر کے لشکر سے اُسے کوٹ رہی ہے

فکرِ فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے
آج تک ہم کیا ہوئے آئندہ کیا امید ہے
غافلوں کو جلوۂ ہستی بہارِ عید ہے
چشمِ بینا میں مگر یہ حشر کی تمہید ہے

قدِّ موزوں دیکھئے جوڑے کی بندش دیکھئے
کس قیامت کا ہے مصرع اور کیا تعقید ہے
مجھکو اور اُنکے مضامینِ کمر پر دسترس
ذہن کیسا بس یہ کہئے غیب کی تائید ہے

خوشی ہے سبکو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسیکو اسکی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے
فنا اسی رنگ پر ہے قائم فلک وہی چال چل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ کل جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے
یہ دیکھتے ہو جو کاسۂ سر غرورِ غفلت سے کل تھا مملو
یہی بدن ناز سے پلا تھا جو آج مٹی میں گل رہا ہے
سمجھ ہو جسکی بلیغ سمجھے۔ نظر ہو جسکی وسیع دیکھے
ابھی یہاں خاک بھی اُڑیگی جہاں یہ قلزم اُبل رہا ہے
کہاں کا شرقی کہاں کا غربی تمام دکھ سکھ ہے یہ مساوی
یہاں بھی اک نامراد خوش ہے وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے
ہوس پرستوں کو کیوں یہ کد ہے ان انقلابوں کی کیا سند ہے
اگر زمانہ بدل رہا ہے بدلنے ہی کو بدل رہا ہے
عروجِ قومی زوالِ قومی خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
ہمیشہ ردّ و بدل کے اندر یہ امر پولیٹکل رہا ہے
جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے انہیں کے حصّے میں زندگی ہے
مقدمونکی ہوں لاکھ شکلیں یہی نتیجہ نکل رہا ہے
خدا سے تم دل ملاؤ اپنا زبانکو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہے زباں سے جو نکل رہا ہے
جھکائیں اکبر سرِ ارادت نہیں توقّع امید کچھ نہیں ہے
اُدھر وہ شمشیر کھینچ رہی ہے اِدھر یہ خنجر سنبھل رہا ہے
مزا ہے اسپیچ میں نہ ٹر میں خبر بھی چھپتی ہے پانیر میں
فلک کی گردش کیساتھ ہی ساتھ کام یاروں کا چل رہا ہے

جب آسماں اہلِ دغا ہی کا ہو رہے
مومن کو چاہیئے کہ خدا ہی کا ہو رہے

مجھکو تو حبِ جاہ ہی ہے وجہ انتشار / دل میں تمہارے شوق جو شاہی کا ہو رہے

اکبر مریض ہے تو دعا بھی اُسے سکھاؤ
ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

گردن رفارمر کی ہر اک سمت تن گئی / بگڑی ہو قوم و ملک کی انکی تو بن گئی
لڑکے نئے طریق کی جانب جو کھنچ گئے / بوڑھوں کی آہ جانب چرخ کہن گئی
دم بھر میں جسم و روح کا قصہ تمام تھا / مٹی میں مل گیا وہ یہ اپنے وطن گئی

دنیا میں بھی مست اثرِ نغمۂ کُن ہے / پردیس میں ہے روح مگر دیس کی دُھن ہے
کی میں نے لگاوٹ تو بتِ شوخ یہ بولا / کیوں کفر ہے بدنام جب انمیں بھی یہ گُن ہے

ہنس دیتے ہیں بت سنکے یہ اکبر کا لطیفہ
جب آپ کے درشن ہوں تو پھر پاپ بھی پن ہے

جانتی تھیں کہ ہنر شرط ہے قاتل کے لئے / دِل لئے آپکی آنکھوں نے مگر دل کے لئے
دل مرا انکے لئے ہے وہ مرے دل کے لئے / ماسوا اسکے سب اندیشۂ باطل کے لئے
ہر قدم پر ہے فزوں لذتِ سرگرمیِ سعی / شوق نے خوب مزے دوریِ منزل کیلئے
ہے یہ وہ عہد کہ کی بزم کی تزئین لیکن / آدمی مل نہ سکے رونقِ محفل کے لئے
دیدِ دنیا ہے رہِ عشق میں سالک کو مضر / خوب ہے قطعِ نظر قطعِ منازل کے لئے
مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت / اب تو پیری ہی ہے رندانہ مشاغل کیلئے

کیا ضرورت رہِ الفت میں سخن سازی کی
صدق کافی ہے بس اکبر اثرِ دل کے لئے

نہ پالسی وہ رہی اور نہ آنجناب رہے / نئے طریق فقط - جان پر عذاب رہے
اس انجمن میں اشارا ہے چشمِ ساقی کا / وہی مزے میں رہے جو یہاں خراب رہے
خزاں میں ہوش جب آئیگا خیر دیکھ لینگے / بہار تک تو سہی نشۂ شراب رہے

اُمیدیں ہوتی تھیں پیدا تری لگاوٹ سے
نہ اب وہ لہر رہی اور نہ وہ حجاب رہے

کہاں کا نام مجھے ہے نشان سے بھی گریز
مبارک آپ ہی کو خواہشِ خطاب رہے

اس اک گناہ کو منظور کیجئے تو مجھے
تمام اور گناہوں سے اجتناب رہے

مرے عشق کے سوز میں ہو نہ کمی اجل آئے تو ایسی جفا نہ کرے
مری جاں کو جسم سے کر دے الگ۔ مرے درد کو دل سے جُدا نہ کرے

بت شوخ کی دیکھ رہا ہوں نظر۔ مرے عشق کا کچھ بھی نہیں ہے اثر
جو میں کہتا ہوں کاش ہو تجھ میں وفا۔ تو وہ کہتا ہے ہنس کے خُدا نہ کرے

مجھے عشق و وفا کی سند نہ ملے جو میں ضبط سے صبر سے کام نہ لوں
وہاں حُسن کے ناز میں آئے کمی۔ جو وہ حق ستم کو ادا نہ کرے

عدو فلک بھی رہا گردش زمیں بھی رہی
مگر وہ در بھی رہا اور مری جبیں بھی رہی

نظر میں آیتِ ایاکَ نستعین بھی رہی
صنم کے پاؤں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی

تری اداؤں سے بڑھنے نہ پائی جراءت دل
ہنسی جو لب پہ رہی تو جبیں پہ چیں بھی رہی

ہزاروں ظلم ہوئے بیکسوں پہ یاں لیکن
وہی فلک بھی رہا اور وہی زمیں بھی رہی

خلوص اُنھیں نہ تھا اس سبب سے دل نہ ملا
گہیں تو خوب اُڑیں اور چنا چنیں بھی رہی

کچھ انتظار میں موقع کے طول ہجر ہوا
کچھ ابتدائے محبت میں ہاں نہیں بھی رہی

میں کیا ہوں خوش اگر انکو رہی نہ الفتِ غیر
ملیں گے اُس سے محبت اگر نہیں بھی رہی

اُسی کو ہم تو سمجھتے ہیں مستند اکبر
جسے مشاغلِ دنیا میں فکرِ دیں بھی رہی

ہو رہا اُس کا کہ جو بے مہر و کافر کیش ہے
دل ہمارا کس قدر نا عاقبت اندیش ہے

ترے سحر نظر سے ہوا یہ جنوں مرے دل کی تو اسمیں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آ کے میں بیٹھ رہا بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا۔ میں تمھاری ہی زلف سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے۔ کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی

کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب۔ مجھے کوئی امید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل۔ وہ نظر ہی نہ تھی وہ ادا ہی نہ تھی

نہ نبھی تو پھر اسمیں تھی کس کی خطا۔ یہ گلا ہے مرے ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا۔ مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی

میں وطن سے حزین و ملول پھرا۔ نہ وہ بزم ملی نہ وہ یار ملے
گل و لالہ و سرو کا ذکر کجا۔ وہ چمن ہی نہ تھا وہ ہوا ہی نہ تھی

غمِ ہجر میں جی سے گیا جو گذر۔ تو یہ **اکبر** زار نے خوب کہا
کہ علاج فراق تو تھا ہی یہی۔ بجز اسکے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

اللہ رے کامیابی اُس چشمِ پُر فسوں کی
تنویر چاہتا ہے گر آتشِ دروں کی
نشتر لگائے جا تو اے رنج نا امیدی
اُس وقت کوئی دیکھے تاثیر سازِ مغرب
آفاق پر ہیں طاری آثار شام غم کے

عقلیں ہزار ابھریں تابع سہیں جنوں کی
ہو اُس کا محو جس نے مٹی میں روح پھونکی
دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوشِ خوں کی
جب ناچ ہوسوں کا اور گت ہو ارغنوں کی
اللہ دل کو قوت دے صبر کی سکوں کی

فطرت نے باغِ ہستی پیشِ نظر کیا ہے
دیکھو بہار **اکبر** اُس روئے لالہ گوں کی

کیا پا گئے جو حرص کے کوچے میں سگ رہے
اپنی جگہ سے تم نہ ہٹو گو ہوں گردشیں

وہ کیا بُرے رہے کہ جو اس سے الگ رہے
ایسے رہو کہ جیسے انگوٹھی میں نگ رہے

اکبر انھیں کو لذتِ یادِ خدا ملی
سمجھے جو کافری کو اور اُس سے الگ رہے

دن رات کی یہ بے چینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
آثار برے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے

دنیا کے لئے ہنگامے ہیں خلق ایکطرف آپ ایکطرف
اب شہر خموشاں عالم ہو مٹی ہے لحد کا کونا ہے

کیوں پست ہوئی ہے ہمت دل کیوں روک رہی ہے مایوسی
کوشش تو ہم اپنی سی کر لیں ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

ترکیبِ تکلف لاکھ کرو فطرت نہیں چھپتی اے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا وہ سونا ہے

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپکو معلوم رہے

جوششِ سودا کو طبعِ لاابالی چاہیئے
منظرِ مجنوں کو تصویرِ خیالی چاہیئے

اُنکے مضمونِ کمر کا باندھنا آساں نہیں
مدتوں مشاقِ نازک خیالی چاہیئے

ہر درِ میخانہ اکبر کے لئے دلکش نہیں
بادہ صافی چاہیئے اور ظرف عالی چاہیئے

نظر کن سوی او تا نورِ چشمِ قدسیاں باشی
بنہ سر بر زمینِ کوئی او تا آسماں باشی

ستمہای بیکسی بودن ترا با ہمدماں اکبر
ازاں بہتر کہ در بزمِ حریفاں شادماں باشی

زفیضِ راستی چوں سروِ گشتی اندریں گلشن
بزن گامے براہِ سعی تا سروِ رواں باشی

چل رہی ہے جسطرح دنیا کو چلنے دیجیئے
مل رہی ہے ہاتھ اگر منطق تو ملنے دیجیئے

قوم اب کہاں ہر اک کی خوشی غم کیساتھ ہے
سچ تو یہ ہے کہ میں کا مزا ہم کے ساتھ ہے

دل کو آماجگہ تیر قضا کرتی ہے
حسن کا حق وہ نظر خوب ادا کرتی ہے

تمھاری چشمِ فتاں سبکے دل سے ساز کرتی ہے
ہماری آرزو کو کیوں نظر انداز کرتی ہے

بہار آئی ہے گویا اب نجائیگی گلستاں سے
کھلی پڑتی ہیں کلیاں بھی ہوا بھی ناز کرتی ہے

اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا
اگر سمجھو تو ہر پتی بیاں راز کرتی ہے

شیخ نے ناقوس کے سُر میں جو خود ہی تان لی
پھر تو یاروں نے بھجن گانیکی کھل کر ٹھان لی

مدتوں قائم رہینگی اب لبوں میں گرمیاں
میں نے فوٹو لے لیا اُسنے نظر پہچان لی

رو رہے ہیں دوست میری لاش پر بے اختیار
یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اسکی جان لی

میں تو انجمن کی گلے بازی کا قائل ہو گیا
رہ گئے نغمے حُدی خوانوں کے ایسی تان لی

حضرت **اکبر** کے استقلال کا ہوں معترف
تا بمرگ اُسپر رہے قائم جو دل میں ٹھان لی

اب خاک پہ ہیں کل تخت پہ تھے اک زیست کی حالت وہ بھی تھی
اللہ کی قدرت یہ بھی ہے اللہ کی قدرت وہ بھی تھی
پریاں بھی لگاوٹ کرتی تھیں اب دیو بھی مجھسے کھنچتے ہیں
فطرت ہی کی صورت یہ بھی ہے فطرت ہی کی صورت وہ بھی تھی

انسان فقط عجز و دعا ہی کے لئے ہے
جو عزت و عظمت وہ خدا ہی کے لئے ہے

حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی
حل ہو سکا نہ ہمسے معمائے زندگی

اس زندگی نے خود ہی کیا ہے تجھے اسیر
تجھکو یہ کیوں ہے شوق و تمنائے زندگی

جانتے ہیں کہ سدا خون جگر پینا ہے
پھر خوشی کیا کہ ابھی ہمکو بہت جینا ہے

تجھے اُس سے ہے سرِ دوستی۔ تری آرزو بھی عجیب ہے
وہ ہیں تخت پر تو ہے خاک پہ وہ امیر ہیں تو غریب ہے

پئے حفظ جاں ہیں جو کوششیں وہ اجل کیساتھ ہیں سازشیں
اور ابھی وشتہ ہیں خواہشیں یہ معاملہ بھی عجیب ہے

ترا جلوہ زیب خیال ہے وہی وجد ہے وہی حال ہے
تری انجمن سے ہوں دور اگر مرا دل تو تجھسے قریب ہے

اُسے انجمن کا خیال کیا جو ہو محو تاروں کی چال کا
وہ نظر زمین پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے

جو خدا کا حکم ہے خوب ہے مجھے توبہ کرنے میں عذر کیا
مگر ایک بات ہے واعظا کہ بہار اب تو قریب ہے

ہوش آجائے جو مسجد تو نمازی بھی سہی
بہت جو موقع پہ ملیں دست درازی بھی سہی

گالیاں اُس نے جو دیں وصل کا طالب میں ہوا
کہہ دیا صاف کہ ترکی ہے تو تازی بھی سہی

تارک اوضاعوں میں دو چار نے پایا ہے عروج
خیر اتنے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی

اُسنے یہ کہکے تھیٹر میں غزل گائی مری
تیری خاطر سے اک آہنگ حجازی بھی سہی

ایکدم چشم کرم بھی ہو ادھر اسے قاتل
ظلم کے ساتھ کبھی بندہ نوازی بھی سہی

آرزو دنیا میں کب نکلی اولو الابصار کی
چشم موسیٰ کو بھی حسرت رہگئی دیدار کی

سوز جاں ہوتی ہے جنبش ابروئے خمدار کی
آگ کر دیتی ہے دلکو آب اس تلوار کی

ہے گرانی قلب پر اوہام کے انبار کی
حاجت اس خرمن کو ہے برق نگاہ یار کی

دھوم ہے زیر فلک حسن وجمال یار کی
ذرے ذرے سے عیاں ہے آرزو دیدار کی

دست گلچیں پھر رہا ہے شاخ گل پر بیدریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی

الفت آنکی نرگس فتاں کی ہے ۔ آرام سوز
نیند اڑا دیتی ہے یاد اس فتنۂ بیدار کی

دست گلچیں کے لئے فطرت میں ہیں کانٹیں
چشم بلبل کے لئے زحمت نہیں ہے خار کی

وہ ادا اسوقت تمنے کی کہ دل تڑپا دیا
اب نہ کہنا بے محل کیا تھی ضرورت پیار کی

خوش ہے دنیا جانتی ہے یہ بھی یونہیں ہونگے خوش
خلق و عالم کو خبر کیا میرے حال زار کی

سر جھکا کر یاد کرلیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہوجاتی ہے اللہ کے دربار کی

غیر بے ترکیب کیا جانے بھلا آداب عشق
کیجئے گا آپ اکدن قدر میرے پیار کی

ہے زلیخا کا سا گاہک حضرت یوسف سا مال
دیدنی ہے آج رونق مصر کے بازار کی

شعر تر اکبر کے سن اے سامع عالی دماغ
قدر کرلے آسماں اس ابر گوہر بار کی

کیا ہے مذہب ۔ ایک ملکی اور سوشل انتظام
یہ نہیں پہچان ہرگز کافر و دیندار کی

صورت الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار
ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی گفتار کی

ہیں ہر اک مذہب میں کچھ کافر بھی کچھ دیندار بھی
یاد رکھ تو بات یہ اک محرم اسرار کی

مفتوں ہوگئے ہم اس بے لقا چمن کے
آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی نے پھول بن کے

ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
اٹھے جو ہیں بگولے برباد ہونگے تن کے

گونجی بہت ہے آئیں فریاد بیکسوں کی
ٹکڑے اڑینگے اکدن اس گنبد کہن کے

غربت میں عمر گذری نام و نشاں نہ پوچھو
نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں وطن کے

زخموں سے چور ہیں ہم اس کا خیال کسکو
چرچے ہیں ہر طرف بس تیرے ہی بانکپن کے

تھی نیک سعی تیری اے بادِ صبح گاہے
تجھکو کیا معطر کلیوں نے پھول بن کے

مغرب کا وعظ ادھر بھی اے پیر ملت تو
اس شہر میں بھی مُردے محتاج ہیں کفن کے

آہ جو دل سے نکالی جائیگی
کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائیگی

یاد اُنکی ہے بہت عزلت پسند
آہ بھی دل سے نکالی جائیگی

نزع کہتی ہے کہ روٹھی تجھ سے جاں
حشر کہتا ہے منالی جائیگی

اس نزاکت پر یہ شمشیر جفا
آپ سے کیونکر سنبھالی جائیگی

بے تکلف چاہئے سوز و گداز
شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائیگی

کیا غم دنیا کا ڈر مجھ رند کو
اور اک بوتل چڑھالی جائیگی

زندگی کی کل ہے پیچیدہ تو خیر
سانس سے لیکر چلالی جائیگی

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا
احتیاطاً کچھ منگالی جائیگی

یاد ابرو میں ہے اکبر محو کیوں
کب تری یہ کج خیالی جائیگی

پاس خاطر تھا اگر تو رنج کیوں ہم کو دیئے
اپنا عجب ہے اُنکی پرسش دل بھر آیا رو دیئے

بوسۂ رخ کی طلب تیر مژہ سے رک گئی
اُس نے شوخی سے رہِ گلچیں میں کانٹے بو دیئے

مری رسائی ہے دیر میں بھی حرم میں بھی میری نظر ہے
بتوں سے بوسے کی ہے توقع خدا سے امید مغفرت ہے

جھکا ہے سر اپنا پائے بت پر زبان پر ہے گلا جفا کا
مرے عمل میں ہے طرز سید غزل میں انداز لاجپت ہے

وصل نے کب مجھے سلایا ہے
ہجر ہی نے سدا رُلایا ہے

میں نے کب کی نگاہ گل کی طرف
تم نے کیوں مجھ سے مُنہ پھُلایا ہے

کیا خوشی ہو جو کوئی آکے کہے
کہ اُنھوں نے تمھیں بلایا ہے

نہ وہ بتکدے کہیں رہ گئے نہ وہ دلبری کو صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے
اب اُنھیں کے کوچہ کی دھوم ہے نہیں کرتا ذکرِ ارم کوئی
اُنھیں ضد بھی تھی اسی بات کی کہ نہ ذکر باغِ ارم رہے
مرے رندیوں کا ہے خاتمہ۔ نہ وہ مستیاں نہ وہ ولولے
نہ مئے کہن کا رہا نشاں۔ نہ طریق محفل جم رہے
مجھے کیا امید فروغ کی کہ بتوں کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زباں رہے نہ خدا رہے نہ حرم رہے

کہاں وہ اب لطف باہمی ہے محبتوں میں بہت کمی ہے
مری وفا میں ہے کیا تنزل کسی کی طاعت میں کیا کمی ہے
وہی ہے فضل خدا سے اب تک ترقیِ کارِ حسن الفت
عجیب جلوے ہیں ہوش دشمن کہ وہم کے بھی قدم تھکے ہیں
نہ کوئی تکریم باہمی ہے نہ پیار باقی ہے اب دلوں میں
کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو بھلائیں ہیں سب نے اگلی رسمیں
نظر مری اور ہی طرف ہے ہزار رنگ زمانہ بدلے
اگرچہ میں رند محترم ہوں مگر اسے شیخ سے نہ پوچھو

چلی ہے کیسی ہوا الٰہی کہ ہر طبیعت میں برہمی ہے
یہ کیوں نگاہیں پھری ہیں مجھ سے مزاج میں کیوں یہ برہمی ہے
نہ وہ ہیں مشق ستم میں قاصر نہ خون دل کی یہاں کمی ہے
عجیب منظر ہیں حیرت افزا نظر جہاں تھی وہیں تھمی ہے
یہ صرف تحریر ہی پہ بس ہے یا جناب پیکری ہے
عقیدے سب کے ہیں تیرہ نہ گیار دھویں سے شہ اٹھی ہے
ہزار باتیں بنا تا صبح جمی ہے دل میں جو کچھ جمی ہے
کر اُنکا آگے تو اس زمانے میں ساری دنیا جہنمی ہے

جلوۂ دہر اپنا تماشا کرے
تجربہ اور جانچ ضروری سمجھ
اردو پہ یہ خدمت برگڑھ ہے یار

فلسفہ الفاظ تراشا کرے
لاکھ کوئی کلّا و حاشا کرے
خیر اب اس کام کو بھاشا کرے

ہوس میری لیے حسرت تو نکلے دشمن کو کھٹکتی ہے
نہیں معلوم اب کیوں کافری مجھ سے کھٹکتی ہے

خموشی سے طریقِ راست پر قائم رہو اکبر
نہ جا گفت و شنودِ دہر پر خلقت ہے بکتی ہے

نہیں سائنس واقفِ کارِ دیں سے
خدا باہر ہے حدِّ دوربیں سے

مشینوں نے کیا نیکوں کو رخصت
کبوتر اڑ گئے انجن کی پیں سے

بساطِ حلقۂ میونسپل دیکھ
تجھے کیا کام ہے جاپان و چیں سے

ہوشوں کی مہربانی ہو چکی
چار دن کی چاندنی تھی ہو چکی

عاقبت کا اب خیال آنے لگا
شورشِ عہدِ جوانی ہو چکی

قوم کی مسجد میں کیجے جھاڑ پھونک
اسپتالوں میں وہ اچھی ہو چکی

آج تم کرتے ہو ذکرِ انحطاط
مدتیں گذریں کہ وہ ڈھلی ہو چکی

بہرِ عمل کوئی راہ اب اے خدا نہیں ہے
ہیں کچھ سند نہیں ہوں ہم کا پتا نہیں ہے

تعلیم و تربیت کا ہے اختلاف ہر جا
جو کورس ایک کا ہے وہ اور کا نہیں ہے

ہر سر میں ہے یہ سودا و انکم چیرا نگویم
وہ کون ہے جو واعظ بنکر اٹھا نہیں ہے

اونچے بہک رہے ہیں نیچے دبک رہے ہیں
ہے پیٹ ہی کا سودا دل کا پتہ نہیں ہے

جسکو بقا نہیں ہے وہ دلکشا نہیں ہے
جسکو فنا نہیں ہے اُسکا پتا نہیں ہے

اے وہ کہ بیکسوں کو آتی ہے یاد تیری
میرا ابھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

نہیں ہے علم انکیں جہل کی مستی کا جھگڑا ہے
یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے

فقط اک ہستیٔ اعلیٰ کا پرتو دلمیں پڑتا ہے
جو کچھ اسکے سوا ہے وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی
مصیبت پڑی رُو کے چپ ہو رہے

اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست
سُلایا شبِ گور نے سو رہے

رشی ماشا سے نمبر پائیں کیوں خیر الامم پہلے
کہیں دلمیں کریں انصاف تم پہلے کہ ہم پہلے

جماعت اور صف بندی کا ایما بعد کو ہوگا
عزیزوں سے کہو مسجد میں تو رکھیں قدم پہلے

مقلد لیڈرِ مرحوم کے اتنا نہیں سمجھے
کوئی صاحب نہوں۔ للہ نا خوش سنکے یہ مصرع
نہ جوتی ہے زمیں تمنے نہ تمنے بیج بوئے ہیں

غریبی اور محنت پہلے یا جاہ و حشم پہلے
خیالِ حُبِّ قومی پیچھے اور فکرِ شکم پہلے
یہ کیا معنے کہ ہووے بارشِ ابرِ کرم پہلے

نہیں ملنے کا لطف اس قوم بے تقوی و بے حس سے
سنورنے کے سوا یہ بے بصیرت کرتے ہی کیا ہیں
محبت کا تو عنصر ہی نہیں انکی طبیعت میں

مگر یہ بھی تو مشکل ہے کہ پھر آخر ملیں کس سے
چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہے چشمِ نرگس سے
لگاوٹ ہے فقط وہ بھی کبھی اس سے کبھی اس سے

خیال دوڑا۔ نگاہ اٹھی۔ قلم نے لکھا۔ زباں بولی
لطافتوں کے نزاکتوں کے عجیب مضموں ہیں چمن میں
خیال شاعر کا ہے نرالا یہ کہگیا ایک کہنے والا
کہو یہ رندانِ ایشیا سے کہ بزمِ عشرت کے ٹھاٹھ بدلیں

مگر وہی دل کی الجھنیں ہیں کسی نے اسکی گرہ نہ کھولی
صبا نے جھٹکا ہے اپنا دامن مسک گئی ہے کلی کی چولی
شباب کیساتھ یوں آ رہی ہے رندی کہ جیسے پھاگن کیساتھ ہولی
اُڑن کھٹولا ہے اب مسونکا گئی پریجان کی وہ ڈولی

خوشی کیا ہو جو میری بات وہ بت مان جاتا ہے
بتوں کونسل میں اسپیکر تو رخصت قرأتِ مصری
زوالِ جاہ و دولت میں بس اتنی بات ہے اچھی
نئی تہذیب میں دقّت زیادہ تو نہیں ہوتی
تھیٹر رات کو اور دنکو یارونکی یہ اسپیچیں
جہاں دل میں یہ آئی کچھ کہوں وہ چلدیا اٹھکر
چناں بردند صبر از دل کے قصّے یاد آتے ہیں

مزا تو بیحد آتا ہے مگر ایمان جاتا ہے
کروں کیا میری جاتی ہے یا قرآن جاتا ہے
کہ دنیا کو بخوبی آدمی پہچان جاتا ہے
مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے
دہائی لاٹ صاحب کی مرا ایمان جاتا ہے
غضب ہے فتنہ ہے ظالم نظر پہچان جاتا ہے
تڑپ جاتا ہوں یہ سنکر کہ اب ایران جاتا ہے

معززِ مسلم سے نوش اب ہے گو وہ فاسق ہے
یہ دعویٰ ہے غلط تو ڈارون صاحب خطا بخشیں

شریک آ سکتے ہیں فاتح اور فیشن کے مطابق ہے
خدا انسان کا خالق خدا بندر کا خالق ہے

نہیں ہے خضر کی حاجت جو شوقِ دل محرک ہے
قلم کھینچے کہانتک صورتیں دنیا کی حالت کی

کوئی حامی نہیں میرا تو خیر اللہ مالک ہے
تصور ہی میں طاقت ہے وہی عمدہ گرافک ہے

مجھے اک بوسہ دینے میں بھی وہ مس بخل کرتی ہے
نصیب اچھے نہیں میرے لئے حاتم بھی ممسک ہے

یہاں حد سماعت کو نہیں کچھ دخل ہے صاحب
یہ مانا آپ قابض ہیں مگر اللہ مالک ہے

خدا ہی کو فقط حاصل ہے حقِ دلبری اکبر
دیا دل جس نے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے

جو گذرو گے ادھر سے میرا اجڑا گاؤں دیکھو گے
شکستہ ایک مسجد ہے بغل میں گورا بارک ہے

خیالِ آخرت کا حس نہیں جسکی طبیعت میں
اسے کیوں منطقی دنیا میں کہتے ہیں یہ مدرک ہے

فطرتی سلسلے میں لذت بھی ہے قہر بھی ہے
خوانِ الوان پہ یہاں شہد بھی ہے زہر بھی ہے

اسی میدان میں ہوا تشنہ لبی سے میں ہلاک
اسی میدان کے آغوش میں اک نہر بھی ہے

کمپ ہی میں نظر آتی ہے انھیں قوتِ قوم
ورنہ لینے کو تو دیہات بھی ہے شہر بھی ہے

زخمی ہوا تھا دل ایسا سینے میں کھٹک تمام رات تھی
پہلے بھی ہوئے تھے کچھ صدمے رو دئے تھے مگر یہ بات تھی

اب شوق و تمنا کا وقت نہیں اب عمر نہیں امیدوں کی
دنیا سے لگاوٹ کیا میں کروں قوت ہی نہیں تمہیدوں کی

تفریح و سفر کا شوق نہیں دہلی ہے نہ اب کلکتہ ہے
عشرت کے لئے کافی ہے دعا ہاشم کا خیال البتہ ہے

آپ سے بے حد محبت ہے مجھے
آپ کیوں چپ ہیں یہ حیرت ہے مجھے
شاعری میرے لئے آساں نہیں
جھوٹ سے واللہ نفرت ہے مجھے
زورِ رندی ہے نصیبِ دیگراں
شاعری کی صرف قوت ہے مجھے

نغمۂ یورپ سے میں واقف نہیں
دیس ہی کی یاد ہے بس گت مجھے
دیدیا میں نے بلا شرط ان کو دل
مل رہے گی کچھ نہ کچھ قیمت مجھے
برہمن سے میں نے کرلی دوستی
بت بھی اب کہنے لگے حضرت مجھے

قبل از غرور و نازِ حکومت کی فکر کر
فرعونیت کے واسطے ساماں چاہیئے
میں نے جو دل کو پیش کیا اسکے سامنے
کہنے لگا وہ شوخ مجھے جان چاہیئے
پنڈت کو بھی سلام ہے اور مولوی کو بھی
مذہب نہ چاہیئے مجھے ایمان چاہیئے

نہیں دشوار کچھ صحبت پر اسکی شرط پڑتا ہے
جو دنیادار ہے وہ قاعدے کی رو سے ادنیٰ ہے

سند مجھکو ملی تو جل گئے واعظ لگے کہنے
خری کی ہو گئی تکمیل باقی صرف لدنا ہے

کسی محفل میں تم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے
سند جب ہے کہ ابھرے ذکر حق نام خدا چمکے

یہ جگنو بھی نئی ہی روشنی سے ملتے جلتے ہیں
اندھیرا ہی رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

رنگ شراب سے مری نیت بدل گئی
واعظ کی بات رہ گئی ساقی کی چل گئی

طیار تھے نماز پہ ہم سن کے ذکر حور
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

چمکا ترا جمال جو محفل میں وقت شام
پروانہ بیقرار ہوا شمع جل گئی

عقبیٰ کی باز پرس کا جاتا رہا خیال
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی

چشم غفلت کی ہے دنیا دی نتائج پر نظر
دیدۂ تحقیق میں دینی خوش انجامی بھلی

پختہ ہو کر اپنی شاخ و بن سے ہوتا ہے جدا
اے ثمر چشم محبت میں ترے خامی بھلی

میدان عمل لیگ کا محدود ہے بیشک
ہاں رقبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہیں ہے

ہے کا ما ہی کا ما ۔ جو پڑھے دھر کا نامہ
جز سوت کہیں اہل قلم انشاپ نہیں ہے

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گزرتی ہے

نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانے کو
وہی ذرے ابھرتے ہیں وہی مٹی سنورتی ہے

وہ دو ذرے بلا اذن خدا مل ہی نہیں سکتے
کہ جنکے میل سے سائنس کی قوت ابھرتی ہے

جو ہیں اہل بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے

زبانیں مختلف بھی ہوں اگر دو حق پرستوں کی
بہم بندھ جاتی ہے نیت کی خوبی کام کرتی ہے

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبہ و شلوار پر
ایک دن انکو فلک بندھوائے دھوتی تو سہی

اپنی اسکولی ہو پر ناز ہے اُن کو بہت
کمپ میں ناچے کسی دن اُنکی پوتی تو سہی

اپنی دُھن میں آبرو کی کچھ نہیں پروا انھیں
نازِ معجونِ ترقی ہو بہم ہوتی تو سہی

فساد اُٹھتا ہے فتنہ آپکی محفل سے اُٹھتا ہے
عدو پہلو میں ہو لیکن تو وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تمکو نہیں آتا
تمھیں کیونکر دکھائیں دلمیں بجھبا دُھواں اُٹھتا ہے

اُٹھانا بارِ الزامِ ستم کا شاق ہے سب پر
بآسانی مگر یہ بار اُس قاتل سے اُٹھتا ہے

سخن وہ دلنشیں ہے جوشِ خاطر سے جو پیدا ہو
کہ دل میں بیٹھ جاتا ہے وہی جو دل سے اُٹھتا ہے

الٰہی فرقتِ محبوب میں کیونکر بسر ہو گی
نہ دل اُٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دل سے اُٹھتا ہے

سوا اسکے کہ بیٹھا ہوں تو اُٹھ جانیکا ایما ہے
بٹھایا جاتا ہے پھر جو تری محفل سے اُٹھتا ہے

نزاکت پر ستم ہے اُنکا جوڑا اسقدر بھاری
ڈوپٹہ ہے مصیبت پائچہ مشکل سے اُٹھتا ہے

بتِ زہرہ جبیں نے پھیر دیں چھیڑی ہے اے اکبر
نمازِ صبح کو اسوقت تو محفل سے اُٹھتا ہے

عجب فتنہ خرامِ نازکِ قاتل سے اُٹھتا ہے
سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

تحمل تا کجا ٹوٹا ہے اک لشکر مصیبت کا
مدد یا رب قدم اب صبر کی منزل سے اُٹھتا ہے

ہوئی مدت کہ دنیا سے مرا دل اُٹھ گیا لیکن
ہنوز اک شعلۂ یادِ رفتگاں میں دل سے اُٹھتا ہے

اُٹھاتے یوں تو سب ہیں بارِ دنیا طوعاً و کرہاً
خوشی کے ساتھ لیکن یہ فقط عاقل سے اُٹھتا ہے

نہ پائیگا کبھی اصلی مسرت طالبِ دنیا
پر اُسکا ہاتھ کب اس سعیٔ لاحاصل سے اُٹھتا ہے

ترقی کی اُدھر گھوڑ دوڑ اِدھر ہے پیر ناطاقت
وہ آسانی سے کیا دوڑیگا جو مشکل سے اُٹھتا ہے

سراپا اک نگاہِ شرمگیں ہے وہ پری پیکر
کجا آنکھیں اُٹھانا آپ وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہجومِ آرزو اس دودِ آہِ دل سے ہے ثابت
وہ گردِ کارواں ہو جیسے دھواں منزل سے اُٹھتا ہے

فغاں ہی کی صدا گرداب کی جانب سے اب اکثر
خوشی کا غلغلہ کمتر لبِ ساحل سے اُٹھتا ہے

اثر ہے شوق کا صحرائے مجنوں میں ہے یہ لیلیٰ
بگولے پر بگولا سایۂ محمل سے اُٹھتا ہے

کچھ ایسی لغزبی ہوتی ہے اشعار اکبر میں
کہ شورِ مرحبا ہر گوشۂ محفل سے اُٹھتا ہے

ظرافت

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہو گیا
کم کا مطلب ہی کمانا ہو گیا

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے
تیغ ابرو کا تھا عاشق۔ خاں بہادر کر دیا

لیلیٰ نے سایہ پہنا مجنوں نے کوٹ پہنا
ٹوکا جو میں نے بولے بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بدستور اپنی جگہ ہیں لیکن
ہے لطف بحرِ ہستی فیشن کے ساتھ بہنا

کہتے ہیں شاعری یہ تری بے اصول ہے
کہتا ہوں صاف ہیں تو نہیں تجھکو ماننا
میں نے کہا کہ آپ کی کرتا جو پیروی
تو آپ کے سوا کوئی مجھکو نہ جانتا

بی۔ اے کی کمال کامیابی ہے یہی
سروس کے لگاؤ سے معزز بننا

بہتر ہے یہی اے دل کہہ لیت نہ تو لولا
دنیا کے حوادث پر واللہ سکوت اولیٰ

شائق تحقیق کے یہ مضمون سن لیں
انسان کی شکل جیسے بیموں بنا
پاجامہ بھی یونہیں ارتقا سے بدلا
سمٹا اُبھرا غرض کہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی مسلو کا

بوزنے کو ارتقا نے کر دیا انسان تو کیا
انقلابِ حرف نے مولی کو ولیم کر دیا

ناواقفِ وزنِ شعر مجھکو جو کہے
اُسکے آگے ضرور ہے چپ رہنا
بلبل کو بھی بےسرا وہ کہہ دیگا کبھی
ایسے سنجیدہ شخص کا کیا کہنا

مغرب کی نعمتوں نے اسٹیج کو سنوارا
بجنے لگا پیانو چپ ہو گیا چکارا

بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا
دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

گم ہیں مری نظر سے وہ ساحلِ دل آویز
ناکامیوں کی موجیں بہنے لگیں بہت تیز
اسٹیمر اپنی ہمکو دیتے نہیں یہ انگریز
کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز

باشد کہ باز بینیم آن یارِ آشنا را

مشرق کے حق میں مہلک مغرب کا ہے یہ پیوند
بدنامیوں سے بچ تو اے مصلحِ ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر کی سعی میں ہے ہرچند
درکوئے نیکنامی ما را گذر ندادند

گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

خوش چشم آہوؤں کی صحرا میں یہ اچھل کود
موسم بھی روح پرور ساقی بھی حسبِ مقصود
فطرت کا حکم نافذ تقویٰ کی فکر بے سود
حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود

اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

فہمیدنِ معانی ہر طبع کے تواند
لذت بیابد آں دل کو رازہا بداند
موجے بسینہ خیزد در شوق غرق ماند
گر مطرب حریفاں ایں نظم من بخواند

در وجد و حالت آرد پیرانِ پارسا را

یہ صندوقِ کتب بھاری ہے یار اٹھ نہیں سکتا
یہ ہے مذہب ۔ تو مجھ سے بارِ مذہب اٹھ نہیں سکتا
ہوا پر دی جگہ اللہ نے عزّی مشینوں کو
زمیں سے غرّۂ انجنیری اب اٹھ نہیں سکتا

مشرق پہ ہے گو کہ ضعفِ پیری غالب
ہر چند کہ ہے نجم اسیری غالب

مستی اکبر کی رقص میں سے نہ رکی
بھوڑسے پہ نہ پڑ سکی کنجیری غالب

اکثر اسی ہوس میں بنے ہیں کلوخ کمپ
اسکے خوشا نصیب جسے ہو رسوخ کمپ
اب شیخ شہر رہ گئے مردود نکے واسطے
زندہ نکو مرینگے ہمارے شیوخ کمپ

شیعۂ من بے محیط و سُنیم بے مرکز ست	می روم سوئے کلیسا طالبم دخت رز ست
اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزورِ تیغ	یہ بھی کہینگے پھیلی خدائی بزورِ موت
پہلے ہملوگ یہ سمجھتے تھے ہوگئی اب خیال کی اصلاح	ہر چہ از باپ می رسد نیکوست ہر چہ از آپ میرسد نیکوست
بہ دینِ نیچری ہستیم امید ولے از تجربہ ثابت شدہ ہیچ	ترقی را چو آمادہ برآمد چو دم بر داشتم مادہ برآمد
مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پا ہنر	مدہوشِ لذتیم و ندانم دگر چہ کرد کرزن چہ گفت و لِ چہ شنید و ملر چہ کرد
رفت و نبالِ ڈارون آں شوخ سگِ اصحابِ کہف روزے چند	بوزنہ ماند و آدمی گم شد پئے نیکاں گرفت مردم شد
ما نیچری شدیم و نداریم آگہی اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز جبرئیل	با دیگراں نوشتہ کلکِ قضا چہ کرد احمد چہ گفت و اُو چہ شنید و خدا چہ کرد
ہیٹ رانہ بر سرِ من جائے دستار اے عزیز	مرد تا مسٹر تو اند شد چرا قبلہ شود
خدا کا گھر نہ رکھا دلکو بنگلوں میں مکیں ہو کر	بھلا یا عرش کو اس قوم نے کرسی نشیں ہو کر
عہدِ انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر	کیا تعجب ہے جو نکلا ہے پیمبر نمبر
بے پاس کے تو ساس کی بھی اب نہیں ہے آس	موقوف شادیاں بھی ہیں اب امتحان پر
مصارفِ مئے لندن نہ ہو سکے برداشت	غرضکہ یاروں میں افیون ہی گھلی آخر
شیخ نے عشقِ بتاں کے وہ طریقے سوچے	کہ ہوئے دیر میں بھی اب بڑے حضرت مشہور
مشرق سے تجھے اگر ہوئی ہے نفرت	للہ اکبر نماز مغرب تو نہ چھوڑ
شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر کارِ دنیا سے فراغت ہی عزیزو نکو نہیں	نظر آتی ہے اب رونقِ مذہب کیونکر پھر کہیں آ نہ سکے - الی دنیاک فارغب کیونکر

میں ہوا رخصت اُسے لسنے اے اکبر
وصل کے بعد تھینک یو کہکر

یاسے ورسٹیلوں و دل در پیشواز ... چند روزے باہمیں حالت لیباز

کرلیا بی بی نے اُنکی انٹرنس اِس سال پاس ... والدہ صاحب تو ہیں خاموش لیکن خوش ہیں پاس

لاٹھی شاں اُٹھانے اگر ذیب کے خلاف ... ہے ظلم اسکو کہئے جو تہذیب کے خلاف

موج نصیحت اکطرف دلکی روانی اکطرف ... گل شیخپورہ اکطرف میری جوانی اکطرف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چاہئے ... نئی ملت کا ہوں میں زاہدِ خشک

انجن کو یہ آگ ہو مبارک
دھلی کو سہاگ ہو مبارک
انگریز کو بھاگ ہو مبارک
قومی ہمیں راگ ہو مبارک

کمیٹی میں جتنے ہیں ارکان لیگ
مگر اُن سے ہے مجھکو تخصیص خاص
بفضل خدا سب ہیں میرے کلیگ
کہ تمام کے ساتھ جن کے علیگ

بنگلہ دیکھو تو صرف واحد حاضر ... اسپر یہ غضب کہ جمع غائب بالکل

بدلی کے سبب سے چاند آیا نہ نظر ... بیٹھے رمضان کے نمازی ہیں ملول
سائنس نے کرلیا تھا منظور اُنتیس ... نیچر نے کہا کہ تو سہی تیس وصول

ہیٹ ہی کو کرلیا جب قوم کے سر نے قبول ... دخل انگریزی یہ اردو کی شکایت ہے فضول

خلتہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم ... مُہر ابراہیم باقی۔ دین ابراہیم گم
حسرتِ عشاق بازار جہاں میں کچھ نپوچھ ... رز جہیا زر ندار درس کی کثرت سیم گم
شہر دل کے واسطے اب ان تو نسے کیا لڑیں ... کرچکے ہیں۔ بھائی صاحب۔ ہمتو ہفت اقلیم گم

وہ منانے ہیں کبھی بناتے ہیں ... کہتے ہیں مان جاؤ منسا رام

دانم کہ سادگی و خاموشی است اولی ... تقلید دھر لیکن بر بودہ است ہوشم
سودائے گفت درسر۔ وضع صلیب دربر ... دانم چرا نگویم دارم چرا نپوشم

کریما بہ بخشائے بر حال قوم	صلوٰۃ است رائج در ایشاں نہ صوم
مرے شکووں سے کیوں بھرتے ہیں وہ اخبار کے کالم	کوئی یہ شیخ سے کہدے کہ سنئے قبلۂ عالم
جدھر صاحب اُدھر دولت جدھر دولت اُدھر چندہ	جدھر چندہ اُدھر آنر جدھر آنر اُدھر بندہ
رہ گیا دل ہی میں شوقِ سایۂ الطاف خاص	مجھکو آپکی اجازت دی نہیں ڈرٹ روم میں
کھانے کے کمرے سے رخصت کر دیا لجد ڈنر	تھیں فقط چھُریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں
مغربی دھول کا سر میں نہ پہونچا تھا اثر	اسقدر بات بہت خوب تھی عمامے میں
ابھرے ہیں عیب انکے اور خوبیاں دبی ہیں	بیدیں اگر نہیں ہیں تو شیخ جی عبی ہیں
اپنوں کو بد بنانا بندر کو جد بنایا	بت کو صمد بنایا کیا خوب قرطبی ہیں
اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے	اور کہدیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں
حرم میں مسلمونکے رات انگلش لیڈیاں آئیں	پئے تکریم جہاں بن سنور کر بیبیاں آئیں
طریق مغربی سے ٹیبل آیا کرسیاں آئیں	دلوں میں ولولے اٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں
امنگیں طبع میں ہیں شوق آزادی کا بلوا ہے	کھلینگے گل تو دیکھو گے ابھی کلیوں کا جلوا ہے
مجھے سنا کے یہ کہتا تھا ایک طفل ذہیں	یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بو بھی نہیں
سبب ہے اسکا مگر صرف ضعف ملت و دیں	جناب قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دیر نشیں
کسی میں دم ہی نہیں ہے تو دم بھریں کسکا	بزرگ ہی نہیں باقی ادب کریں کسکا
دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں	بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں
مری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت	ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں
جسے موقع ملا وہ جا بسا بستی سے بنگلے میں	مزا دیتی ہے ٹھمری الفت قومی کے جنگلے میں
شیخ جی دیر میں بیٹھے ہوئے گاتے تھے بھجن	نگراں سوئے برہمن تھے بشوقِ بھوجن
میں نے ٹوکا تو لگے کہنے مناسب نہیں کد	ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند
بہت روئے وہ اسپیچوں میں حکمت اسکو کہتے ہیں	میں سمجھا خیر خواہ انکو حماقت اسکو کہتے ہیں

نئے شیخوں کو کفر سے پاک کیے قریں۔ یہی کہتی تھی گوہر زہرہ جبیں
یہ ہوئے تو صریح ہیں دشمن دیں۔ ارے انکا تو کوئی خدا ہی نہیں
نئی سڑکوں پہ چلکے تھکینگے بہت۔ بڑے لوگوں کے منہ کو تکینگے بہت
یہ کمیٹیوں میں تو بکینگے بہت۔ وَلے سجدے میں شوق دعا ہی نہیں

سنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا سے چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ
گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

تنہائی و طاعت کا یہ دور ہے اب دشمن
پیڑوں پہ نہ وہ طائر صحرا یہ نہ وہ جوبن
جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کی ہیں پائیں
املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

جورِ فلک کا ماجرا آپ سے کیا بیاں کریں
تفرقہ دیکھئے ذرا ہمپہ یہ ہیں عجیب دن
عقل سپرد ماسٹر مال سپرد آنجناب
جان سپردِ ڈاکٹر روح سپردِ ڈارون

پڑے گنگناتے تھے لالہ نرنجن
نہ آنکھو نکلیں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے
کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

دیں سے دور ہیں مسیحا سے پھر جاتے ہیں
پھر بھی اُس بت کی نگاہوں سے گرے جاتے ہیں
میں نے مانا کہ کلیں تیز چلی ہیں لیکن
آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چرے جاتے ہیں
دو خبر انکو خدا سے جو پھرے جاتے ہیں
کہ بتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں

پریڈ پر شیخ جی پکارے کہ ہم تو اب بھی مطیع رب ہیں
کہا کسی نے یہ مسکرا کر بڑے میاں تم بڑے غضب ہیں
کچھ بیٹ ایک پڑھکے بولا حضور پروا کریں نہ انکی
ضعیف و خستہ خراب و رسوا یہ میہماں دو چار شب ہیں

اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں
گو اس نے بہت کہا کہا کچھ بھی نہیں
زلف و کمر بتاں کا مفقود ہے ذکر
شیطان پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

بتوں نے وہ ترقی کی جمالِ روح پرور میں	کہ پھر انکو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب دل سے عاشق ہوگئے انکے	مزا ہرسے میں اب وہ ہے جو تھا اللہ اکبر میں
شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے	اونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض	کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں
بنے بندر سے ہم انسان ترقی اسکو کہتے ہیں	ترقی پر بھی نہٹو بدنصیبی اسکو کہتے ہیں
یہ نہ پوچھو مجھسے یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں	شیخ - یہ سوچو تمھارے پاس پیسا کیوں نہیں
سامنے کوچ پر جو لیٹی ہیں	لیمن صاحب کی پیاری بیٹی ہیں
ہوں علالت سے ہیں جو زیر علاج	روزہ میرا قضا ہوا ہے آج
حکم دیتا ہے مجھکو اس کا دین	اس لئے کی ہے دعوت مسکین
ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں	بزم اخفش تھی قبل اسکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں
نیست کس مصروف کار دین قلب مطمئن	یک فنا فی الاثر ست و یک فنا فی الثارون
جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں	وہ بگڑ کر بول اُٹھے آپ مرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ	اکبر اُٹھتے کیوں نہیں واعظ ابھرتے کیوں نہیں
نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور	کہ ٹرکی کے دشمن سے جاکر لڑیں
تہِ دل سے ہم کوستے ہیں مگر	کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں
حکومت سے بسکہ دوستی ہے حاصل	رکھو بحث ترقی کو نظر میں
غنیمت ہے شب فرقت کی فرصت	رسالہ لکھو تحقیق کمر میں
بے نمازوں میں ہیں وہ اور اسپہ شرماتے نہیں	یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں
اُن کے حسن اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں	گو خوشامد ہے بڑی چیز مگر کرتے ہیں
نہ دل پٹتا ہے بسکٹ پر نہ میں رکی سے کچتا ہوں	مذاقِ حاشیے کو چھوڑ کر دونوں سے بچتا ہوں
دل رنگیں ہے یہاں۔ لیلا رچانے کی ضرورت کیا	اکیلا بیٹھ کر لیلا کی صورت خود ہی رچتا ہوں

یہ بنگالی ہیں جو ثابت ہوئے ہیں اسقدر اَتقی
بحمد اللہ کہ غربی پیٹ میں میں خوب پچتا ہوں

سے حکومت کی جب یہاں نہ رہی
ہر طرح اب ہے عاجزی ہم میں

حنفی نفی ہیں معطل ہیں
اب ہمارے امام حنبل ہیں
HUMBLE

آئز اگر ملے جو ہے نام و نمود میں
دوزخ کے داخلے میں نہیں انکو عذر کچھ

کیا حرج زندگی ہو اگر حال زشت میں
فوٹو کوئی لگا دے جو انکا بہشت میں

کرتب دکھائیں ممبری کے کیونکر
بی لیگ سے کہدے کوئی حالت میری

جو پیر ضعیف قوم مفقود ہیں
کیوں مجھسے خفا جناب محمود ہیں

مد نظر ہے انکو مری صحت کا خیال
خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دیتے ہیں یہ حکم

افسوس ہے یہی کہ حریص و خسیس ہیں
ایمان لائیے کہ یہ لڈو نفیس ہیں

ورچوس[ا؎] دیکھتے ہیں وہ نہ سر دیکھتے ہیں
فرنیچر دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
انوکھے ہیں مشاغل حضرت اکبر کے ان روزوں
مریدانکے تو شہروں میں اڑے پھرتے ہیں موٹر پر

کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں
الم تر کیف۔ بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیلخانے میں
نظر آتے ہیں لیکن شیخ جی ابتک میانے میں

ووٹوں کے خواستگار و مخلص شیخ جی گھرے ہیں
بارہ برس پر آخر گھورے کے دن پھرے ہیں

لینا تھا کام جن سے وہ مسنخ ہو گئے ہیں
جو عزم تھے ہمارے وہ فسخ ہو گئے ہیں

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنا لو اپنا تم

وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو
وہ یہ کہتے ہیں یہ اس سے کہئے جو شیطاں ہو

مانتے ہی جاتے ہیں ناداں جب اُسکے قول کو
ہے یہی بہتر کہ واپس لیجئے لاحول کو

ہر آرزوے دل کی تم پیچ نہ کرو
سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے

لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
پوائنٹ یہ سخت ہے اسے ٹچ نہ کرو

بابو کہنے لگے بجٹ پہ لڑو
ملک کو دیکھو اپنے حق پہ اڑو

ا؎ نکوکار ۲؎ فاسق، گنہگار ۱۲

کہدیا صاف ہم نے اے مہراج
ہو مبارک تمھیں یہ کام یہ کاج

ما مقیمان کوے دلدار یم
یا ڈیپوٹیشن ست یا غم میم

باتیں ہرگز خلاف عزت نہ کرو
دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو
بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو
پتلون پہن کے ترکِ طاعت نہ کرو

انھیں دھوتی مبارک ہو انھیں تہمد مبارک ہو
مجھے پتلون اور یاروں کو مجھ سے کد مبارک ہو

قسمت کا نام لے کر اب بھی گلا ہے جائز
لیکن اسکو بی۔ اے۔ ام۔ اے جو ہو چکا ہو

لڑیں کیوں ہندؤں سے ہم یہیں کے ان سے پنپے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھتی ہو
مگر ہاں شیخ جی کی پالسی سے ہم نہیں واقف
اسی پر ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

نون تنہا کو میں ہے کیوں میم سے لکھتے ہیں لوگ
مدتوں تک میں نہیں سمجھا تھا اس مضمون کو
آج لٹریری لطیفہ یہ سنا اک دوست سے
میم نے ماہی کے نگلا حضرت ذوالنون کو

اُن کی کل کوششیں تھیں پولٹکل
اِسکو خالق کی جستجو نہ کہو
کمپ کے شیخ کو کہو مرحوم
قدس اللہ سرہٗ نہ کہو

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہے تو انسان زمیندار نہ ہو

شیخ صاحب یہ مئے سرخ مجھے تو ہے مفید
شغل کچھ آپ بھی فرمائیں جو انکار نہ ہو

مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں
شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی بیزار نہ ہو

پھیر سکتی نہیں تقوی سے مجھے کوئی صدا
شرط یہ ہے کہ وہ پازیب کی جھنکار نہ ہو

توپ کی طرح چل اس عہد میں گو منھ ہو سیاہ
سرخروئی اب اسی میں ہے کہ تلوار نہ ہو

آپ کی جنبشِ ابرو سے ہوئے شیخ بھی چپ
سچ تو یہ ہے نہ چلے کام جو تلوار نہ ہو

ابر فکر آپ کا برسا تو بہت اے اکبر
اعتراضات کی احباب میں بوچھار نہ ہو

کہدو اکبر سے یہی لوگ ہیں اس وقت کے شیخ — آلِ سیّد کو بُرا کہہ کے گنہگار نہ ہو

دل ہے پیغام رسان جاتے ہیں خالق کیطرف — ہمکو کیا غم ہے اگر ریل نہ ہو تار نہ ہو

گو تبرک ہے یہ اے شیخ ولیکن ہے ثقیل — دیکھیے شب کی عبادت کہیں دشوار نہ ہو

شیخ صاحب کی تملّق کی نہ قلعی کھل جائے — لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

مغرب نے سایہ ڈالا بتوں پہ اثر کے ساتھ — ساری کبھی انکی ہوگئی غائب کمر کے ساتھ

ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو انکا ہم سفر — موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

احتمالِ فتنہ ہے ہر مجمعِ ملّت کے ساتھ — گشت کرتی ہے پولس بھی شیخ کی جبت کے ساتھ

چھوڑ کر صحن حرم اکبر ہے محوِ طوفِ دیر — عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کے ساتھ

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلینگی کنواری لڑکیاں — دلکش و آزاد و خوشرو ساختہ پرداختہ

یہ تو کیا معلوم کیا موتی عمل کے ہونگے پیش — ہاں نگاہیں ہونگی مائل اسطرف بے ساختہ

مغربی تہذیب آگے چل کے جو حالت دکھائے — ایک مدت تک رہینگے نوجوان دل باختہ

اوجِ قومی سے شرافت کا ہما گر جائے گا — ناکیاں سے پست تر دکھلائی دے گی فاختہ

ڈالدے گا سینۂ غیرت سپر میدان میں — تیغِ ابرو ہی نظر آئے گی ہر سو آختہ

اکبر یا بہ بخشائے بر حال بندہ — کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

نئی پرانی روشنی کی مکالمت

نئی روشنی کی تعلّی

چھیڑتے ہیں تذکرہ کالج و اسکول کے ساتھ — خیر مقدم ہے ہمارا ڈنر اور پھول کے ساتھ

معترض گو نہیں دیتے کبھی بھول کے ساتھ — مستقل چال میں ہم اپنی ہیں معمول کے ساتھ

عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں

دوسری پشت ہے چندے کی طلبگاری میں

پرانی روشنی کا جواب

بے ضرورت نظر آتا ہے تعلّی کا یہ فیر ۔۔۔ معترض کون ہے جب آپ کی نیت ہے بخیر
اب تو سب آپ کے اپنے ہی ہیں کم رہ گئے غیر ۔۔۔ از کرم آپ کو بیگانہ سمجھتا ہے نذیر

آپ کو لطف گورنمنٹ سلامت رکھے
مستفید اس سے ہمیں تا بقیامت رکھے

غربا بھی ہیں مگر قوم کے اجزا اکثر ۔۔۔ غربا ہی سے تعلّق میں ہے انکو تو مفر
دور ہے انسے خود آرائے مغرب کا اثر ۔۔۔ بحث انکی بھی اسی بات پہ ہے ختم مگر

آپ کا دل رہِ مغرب کا اگر سالک ہے
کیجئے چین غریبوں کا خدا مالک ہے

آپ بنگلوں میں ہیں مسرور تو پھر ہمکو کیا ۔۔۔ آپ مسجد سے ہوئے دور تو پھر ہمکو کیا
آپ عہدوں پہ ہیں مغرور تو پھر ہمکو کیا ۔۔۔ جاہ ہے آپکو منظور تو پھر ہمکو کیا

ہمیں ابھرینگے کبھی گو ابھی پستی میں ہیں
آپ دھبوں کیطرح دامن ہستی میں ہیں

ہر گھڑی فکر ہے بازاری کبھی درباری کبھی ۔۔۔ اِک مصیبت ہے جوانی بھی زمینداری بھی

ہے طریقِ جدید خشک مزاج
گو کہ اس میں ذرا ثقالت ہے

میرے حق میں قدیم چال اچھی
پھر بھی بسکٹ سے شیرمال اچھی

مچھر بدن سے سب کے پیتا ہے خون خالص ۔۔۔ فضلہ اسے نہ سمجھو صاحب یہ چلن کیوں ہے
اڑنے کی طاقت اسکو فطرت نے کیوں عطا کی ۔۔۔ یہ لشٹر لائم ایروپلین کیوں ہے

مشرق مغربی جھپیٹ میں ہے
کیوں اسکو ہے مولوی پر ترجیح
کیسہ خالی ہے بکس خالی

دل سینے میں تھا سو پیٹ میں ہے
کیا بات مگر جو پیٹ میں ہے
جو کچھ ہے یہاں پلیٹ میں ہے

زباں اکبر کی اس طرزِ سخن پر ناز کرتی ہے
بہن کی ورہن میں تردیدیت طنّاز کرتی ہے

معزز کرتی ہے اُنکی نظر ممتاز کرتی ہے
بس اتنا ہے در الحاد کو بھی باز کرتی ہے

معاشرکمپ میں کیوں جا بسے مجھسے نہ پوچھ اے دل
مثالِ اوّلیں خود تجھ پہ کشف راز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان تقیہ ضرور ہے
اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

لپٹ بھی جا۔ نہ رک اکبر غضب کی بیوٹی ہے
نہیں نہیں پہ نہ جا یہ حیا کی ڈیوٹی ہے

جو پوچھا میں نے۔ ہوں کسطرح ہیپی (Happy)
کہا اُس۔ مس نے میرے ساتھ رہے پی

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے

چکر آیا اک ایسا جھولا جھولے
قومی عزت کی ہسٹری کو بھولے

جنت کا خیال ہے نہ باغ دل کا
گملوں ہی پہ اب تو رہتے ہیں ہم پھولے

روح پرور نہ سہی نشہ ذرا تیز تو ہے
نوجوانوں کے لئے ولولہ انگیز تو ہے

نہ سہی مستی قومی فقط الفاظ سہی
چند احباب کا اک شغل دل آویز تو ہے

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نماز عید بھی
تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی
وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

دربار سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی
مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی

رندی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر
لینڈلیڈی ہو تو اسکی بندہ ہے اور بندی

الفت نہو شیخ کی تو عزت ہی سہی
مرشد نہ بناؤ اُنکو دعوت ہی سہی
بگڑا ہے جو دل زبان ہی کو روکو
رونا جو نہ آئے غم کی صورت ہی سہی

رفتار ترقی یہ کہیں ناچ نہ ہو جائے
یہ قوت مصری کہیں کہاچ نہ ہو جائے

توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل
مغرب کی مگر کوک سے یہ واچ[1] نہ ہو جائے

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے
اسی پہ شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

کہاں باقی رہے ہم میں وہ اوراد سحرگاہی
وظیفے کی جگہ پاپانیر یا I. D. T. ہے

[1] گھڑی

گئے شربت کے دن یاروں کے آگے اب تو اے اکبر
کبھی سوڈا کبھی لمنیڈ کبھی وسکی کبھی ٹی ہے

گل پھینکے ہے یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی
اغیار تو دنیا ہیں اُٹھائے ہوئے سر پر
ہم بیٹھے ہیں اسطرح کہ اٹھتا نہیں سر بھی
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف
ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اُس بت کی کمر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بلنسی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

ساحل نظر آتا ہے نہ مچھلی ہے نہ بنسی
کیا لہریں لیا کرتے ہیں یہ کانفرنسی

دیر میں محو بت بھی ہے وہ ظالم قبلہ رو بھی ہے
شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے
بت پہ جو کچھ پڑھے تو خوش سجدے میں گر پڑے تو چا
وضع نئی چلن نیا مست بھی ہے وضو بھی ہے

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اُس سے تجارت بڑھی ہوئی

ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیرس کا ہے سوپ ہر جگہ

غلطی مجھ سے ضرور یہ ایک ہوئی
پیدا وجہ فضیحت ایک ہوئی
لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی
ریس کو جو لیا یہ مجھ سے مسٹیک ہوئی

وہ تو گرجا پہ رُکا اور یہ گیا کعبے کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

وضع مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

مسمریزم کے عمل میں دھر اب مشغول ہے
مغرب و مشرق میں اک عامل ہے ایک معمول ہے
جسم و جان کیسے کہ عقلوں میں تغیر ہو چلا
تھا جو منکر وہ اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے
مطلع انوارِ مشرق سے ہے خلقت بے خبر
مستند پر تو وہ ہے مغرب سے جو منقول ہے
گلشنِ ملت میں پامالی سرافرازی ہے اب
جو خزاں دیدہ ہے برگ اپنی نظروں میں پھول ہے
کوئی مرکز ہی نہیں پیدا ہو پھر کیونکر محیط
جھول ہے پیچیدگی ہے ابتری ہے بھول ہے

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور بولیوں پر گالی ہے
کالج نے یہ کیسے سانچوں میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

قابل رشک ہے زمانے میں / دن وکیلوں کا رات عاشق کی
شد لیشتی گورنمنٹ سے بچ گئی / ہہ بالی پیر منٹ سے بچ گئی

افسردگی پر اسکے لگا دل جو تڑپنے / کل شب کو کہا میں نے یہ محبوب سے اپنے
گو پاس تیرے رہ نہ گئی دولت و حشمت / ہے حسن خداداد وہی اور وہی صورت
سونے ہی کی بدّہی پہ فقط مجھکو نہیں غش / پھولوں کی بھی بدّہی ہے تیرے سینے پہ دلکش
جو دل کہ تری پھولوں کی بدہی کو نہ پوچھے / برباد ہوا ایسا کوئی اڈّہی کو نہ پوچھے

نہیں بدلی زبان اُس شوخ کی یہ کون کہتا ہے / میں جب جاتا ہوں انکی بزم میں سٹ دوں کہتا ہے

وضع سابق سے بت ہندی کو سیری ہو گئی / ہو مبارک ملک کو مینا کنیری ہو گئی

ہیٹ کچو نچی شیخ کے سر پر جو دستک جوش سے / اور بچھڑ کے شعلہ ہائے فتنہ اس سرپوش سے
بنگلے صاحب سنہر صاحب کا کیا ہے آپ میں / کیا گلیں ٹپکینگے سقف بنگلہ خس پوش سے

باغ امید کے پھل ہوتے ہیں روز ضائع / ہمکو خدا بچائے اولاد ڈاروں سے

بیدل ہمیں بروز سلو لو نہ کیجئے / للہ بات مانئے لو لو نہ کیجئے
اکل کی صدا نہ خوبی فطرت نہ لطف دید / بہتر یہی ہے خواہش لو لو نہ کیجئے

مجھ خستہ کی ہستی نہیں کچھ آپ کے آگے / مچھر کی ہے کیا اصل ہٹن چاپ کے آگے

ملک پر تاثیر چشم و وسٹ طاری ہو گئی / صفت شیخ و برہمن میں تو جداری ہو گئی
ہندوؤں کو کیوں نہ اب بھائی بنائیں صلح دوست / آریہ مذہب میں بھی توحید جاری ہو گئی
ممبری پر جنگ ہوا اسمیں گنو کا کیا قصور / ملک میں بدنام ناحق یہ بیچاری ہو گئی
کرتے ہیں بائیسکل پر خوب وہ دفع ریاح / اب تو بیلن ارغنوں کا یہ سواری ہو گئی

ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے / بی۔ اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

جن لوگوں نے مسلموں کو بہکایا ہے / کامل کب انکو علم و فن آیا ہے
جو فلسفی ہیں اصل وہ ہیں خاموش / الحاد تو ٹٹپنیوں نے پھیلایا ہے

۱؎ طائر خوبصورت زرد رنگ ۲؎ نہیں نہیں ۳؎ نشین

لیا صبحِ شبِ وصل اُسکا بوسہ میں نے بہ بیچ ہے
اسی پر بول اٹھی وہ شوخ مس یہ فائنل ٹچ ہے

تھا امن کسیقدر سو وہ دن بھی سپ چلے
ظاہر ہی کے سمت اہلِ باطن بھی سپ چلے

مجلس پہ ہوا اضافہ کانفرنس
تسلیم تو جا چکے تھے مومن بھی سپ چلے

اُس مس کی زبان رات جو لی میں نے دہن میں
بولی کہ تری راہ ترقی میں یہ ہچ ہے

میں نے کہا اسکالرِ مشرق ہوں میں اے مس
چپ رہ کہ یہی میری سکنڈ لینگویج ہے

دنیا آخر کو تم سے لیٹی
ہو ہی گئے تم غرضکہ ڈپٹی

کرتے کیا اُن سے کھیت خالی
کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

شیعہ و سنی میں جنگ اک دھوم دھامی ہوگئی
چار یار اور پنجتن کی نیکنامی ہوگئی

کیا شرف بخشینگی تمکو عرش پر یہ کاوشیں
جب زمین پر تمکو غیروں کی غلامی ہوگئی

اک قرآن ایک قبلہ ایک اللہ اک رسول
بد نصیبی ہے کہ تفریق دوامی ہوگئی

مومنان امن جو کو دیر کی سوجھیگی اب
جب حرم کے صحن میں بد انتظامی ہوگئی

اشتعالِ آتشِ افسردہ اس طوفان میں
پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہوگئی

جس نے کھولی پھر صلح و آشتی اپنی زبان
پیشِ حق مقبول اُسکی خوش کلامی ہوگئی

لکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو اُکھن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

اکبر بھی قومی کام کو اٹھے بشوقِ مغفرت
ہز ہائنس کے ہم عنان ہز لولینس بھی ہوگئے

مجھکو ہے پسند اِس سبب سے ٹوپی
یعنی ٹوپی کا قافیہ ہے روپی

ہے فصلِ بہاری بھی ہم آہنگ اسکی
جب آتی ہے کرتی ہے اشارہ ٹوپی

دور یونیورسٹی میں انکی ترقی ہے ضرور
شیخ جی مدیون ہیں اور قوم ڈگریدار ہے

شیخ کو گانٹھے سلیقے سے
چھین کر شعر پا طریقے سے

متفق اس پہ ہو گئے کہ وہ مسر
اب تو یہ مسئلہ ہے متفق بہ

ٹائی کے آگے ٹھکر کا دلچسپ پاٹ ہے
گنگلو کی جانفزائی کو گنگا کا گھاٹ ہے

ڈوبے ہوئے ہیں یہہ بھی مگر اپنی بات میں
پیرو کبھی یہ رہے ہیں خیالی فرات میں

یہ اتنی ستر پوشی تیری اے شرقی غنیمت ہے
دیئے جا چندہ بس تعلیم کی عزتی غنیمت ہے

اُنْظُرْ اِلَی الْاِبِلْ کا تصور جو دل میں ہے
یہہ وجہہ ہے کہ آجتک اونٹ آب و گل میں ہے

لٹریچر اب بھی اُسکا ہے محتاج دیکھئے
معذور اگرچہ اسکا قدم آب و گل میں ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دہرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

راہ مغرب میں یہہ لڑکے لٹ گئے
واں نہ پہونچے اور ہم سے چھٹ گئے

شوق ہے پُن کا نہ طاقت پاپ کی
سب ہیں بس بڑھتی مناتے آپ کی

ہوچکے ہنگلی کے لکچر۔ اب ہمیں
فکر ہے گنگا کنارے جاپ کی

قطر جو کچھ ہو محیط اک انچ ہے
دہوم ہے انکی کمر کی ناپ کی

شیخ جی قائل کے گھر میں لو جنم
ورنہ اب مٹی ہے ہستی آپ کی

ملجاتا ہے دُنیا سے اُسکو جس شخص کا جتنا حصہ ہے
ہے اتنی بات ٹھکانا نیکی باقی تو کہانی قصہ ہے

وہ فرماتے ہیں اے اکبر یہ روزہ اک قیامت ہے
بجا ارشاد ہوتا ہے مگر افطار جنت ہے

میں نے جو کہا دیکھو تو ذرا اب قوم پہ کیسا جوبن ہے
وہ ہنسکے لگے کہنے صاحب یہ قوم نہیں ہے پلٹن ہے

عزیزان وطن کو پہلے ہی سے دیتا ہوں نوٹس
چرٹ اور چائے کی آمد ہے حقہ پان جاتا ہے

یہ اتنی گوشمالی طفل مکتب کی نہیں اچھی
زباں آتی ہے اُسکو بیچ ہے لیکن کان جاتا ہے

مری ڈانٹ ہی سے رہتا ہے وہ بت انکار پر قائم
مگر جب دل دکھاتا ہوں تو فوراً مان جاتا ہے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مافک ہے

نہ مانا شیخ جی نے چلکے گئے دس پانچ یہہ کہکر
اگر قابض ہیں یہ بسکٹ تو ہوں اللہ مالک ہے

لگی لپٹی ہر اک سے یہہ بری عادت تمہاری ہے
مری جان اسمیں اک دن احتمال فوجداری ہے

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے بزم رنداں بھی
فقط پیر مغاں تھے آگئے اب پیر نسواں بھی

شیخ بھی ہیں در کے سائل بس اتنا فرق ہے
مجھکو لوٹا چاہیئے انکو سموسا چاہیئے

کیا تعجب ہے دیا ووٹ جو لالہ کے لئے
بت تو سمجھے ہی مرے معشوق برہمن ہی سہی

کھول کر در کو کہا اس بت اسکولی نے
جب نقاب اٹھ گئی آگے سے تو چلمن ہی سہی

کاش کر لے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور
کیک تو روز ہے اک رات تنجن ہی سہی

سنتا ہوں قبر میری ریل میں آجائیگی
خود مٹا ہوں جب اسی راہ میں مدفن ہی سہی

قلی اک اس طبیعت کا ملا جو کل یہ کہتا تھا
مرے دل میں خیالات بلند آنے نہیں پاتے

سڑک پر کام میں تکلیف ہے بنگلے پہ بے لطفی
یہاں سایا نہیں ہے اور وہاں گانے نہیں پاتے

کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے منھ موڑئے
گرم پانی ڈالئے یا چارپائی چھوڑئے

زندگی کچھ ہی مصیبت موت بھی برباد ہے
کس قدر اس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہے

ماسٹر ہیں نزع میں لڑکوں کی شامت دیکھئے
انکا فوٹو لیتے ہیں پڑھتے نہیں یاسین ہائے

کیا خوشی اسکی مجھے۔ انکو جو نوابی ملی
روغنی صاحب نے لی مجھکو وہی آپی ملی

جیب سے مفروری زر بے تحاشا دیکھئے
جلوۂ بازار مغرب کا تماشا دیکھئے

نکلا یہ آب و تاب بنارس سے اولڈ لوائے
اللہ اسکو گولڈ بھی دے اور پرل بھی

خواہش ہے اب یہ بعض محبان قوم کی
نکلے کسی طرف سے پہ نہیں اولڈ گرل بھی

اکبر دبے نہیں کسی سلطان کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

وہ ہیں ذی علم و معزز جنکا ارشاد و عمل
طالبان حق کے دل کی کر رہا ہے رہبری

بعض اسپیکر نظر آتے ہیں تمکو یہ تو ہیں
نوکری اور ممبری کی منڈوی کے چودھری

یہ غنچے۔ میل کی امید کے کھلنے نہیں پاتے
خدا اس پیٹ سے سمجھے کہ دل ملنے نہیں پاتے

انہیں بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

نہ انہیں رنگ باغی کا نہ انہیں لو ہے داغی کی
یہ حجت ہے فقط درگاہ قومی پر چراغی کی

یہ پردہ در کو سوئے قوم کس نے بھیجا ہے
کہ جسکی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
ازار بند کو کہدینگے جلس بیجا ہے

سدا اسرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی … چلی جاتی ہے گستاخی لیفٹنے خان کی لاٹھی کی

باز آئینگے نہ پولیٹکل انٹریگ سے … جب کچھ نہیں تو لاگ لگا ئینگے لیگ سے
اک شغل زندگی ہے بہار نمود سے … منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ سے

نہیں کچھ اسکی پرسش الفت اللہ کتنی ہے … یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اب کہاں دست جنوں تار گریباں اب کہاں … پا نیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی
لے لیا شیریں نے کسر یٹ میں ٹھیکہ دودھ کا … ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

آزاد ہوں نہیں ہے کوئی مدعائے خاص … جس رخ سے ہے قافیہ مرا مطلب بھی ہے وہی
مذہب کو شاعروں کے نہ پوچھیں جناب شیخ … جس وقت جو خیال ہے مذہب بھی ہے وہی

ڈنر سے تمکو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی … چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کب حاضری شب کی اجازت طلب ہوئی … کیوں ضبط شوق دل کی ضمانت طلب ہوئی

ضمیمۂ ظرافت

بحر آزادی میں یہ کیسا تموج ہو گیا … قاصرات الطرف کو شوق تبرج ہو گیا

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا … پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہوگا

مرا کینہ نتیجہ ہے جفائے چرخ گرداں کا … مرا پینا ہے منبع سیل اشک چشم گریاں کا
مرا جینا ہے بس اک سلسلہ انفاس سوزاں کا … مرا سینا ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا

طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

خدا مر دے تو سودا دے کسی دلچسپ میداں کا … خدا زر دے تو دل کو ذوق دے یورپ کے ساماں کا
خدا پر دے تو ہدہد کر دے بلقیس و سلیماں کا … خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا

جو آنکھیں ہوں تو زینا رہ ہوا ایسی سنبلستاں کا

دور گردوں نے ابھارا دیر کو سچ ہے مگر … یہ نہ کہیے حضرت سید نے پھر کیا کر لیا

نکلے پیچی لنگاہ والیاں - نکلے اپنا سنگار دکھاتے پھرنا -

اُن نگاہوں سے کہ جو تھیں خوگرِ طوفِ حرم
آفریں کہیے کہ بُت خانے کو اپنا کر لیا

رشتۂ در گردنم افگندہ پیٹ
می برد ہر جا کہ مینز است و پلیٹ

بزرگانِ ملت نے کی ہے توجہ
ترقی دین ہو گی اب روز افزوں
کمی پر رہینگے نہ عالم نہ عابد
علیگڈھ کا کالج ہے لندن کی مسجد

دونوں صاحب ہیں محبّ قوم کسکو ووٹ دوں
پیش کر سکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل
بس دعا میری یہ ہے اللہ فرمائے عطا
کامیابی ایک کو اور ایک کو صبرِ جمیل

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ
کہا میں نے صاحب سے با صد ملال
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ
یہ سنکر بہت طبع غمگین ہوئی
کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے
مگر اس تصوّر سے تسکین ہوئی
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

متفرقات

مبارک ہو فلک کو مائل جور و ستم رہنا
طریق حق پہ لازم ہے ہمیں ثابت قدم رہنا

مسلم ہے مگر بات نبی کی نہیں سنتا
لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش
آپس میں تو اب کوئی کسی کی نہیں سنتا

من نہ گویم کہ دریں باغ پے جنگ درآ
آخرت پیش نظر دارو بہر رنگ درآ

اس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھے گا
جو کچھ دکھلائیگا خدا۔ دیکھے گا
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے
بے حس ہوگا جو انتہا دیکھے گا

اثبات خدا کو منطقی اُٹھ نہ سکا
خاک حیرت سے ذہن ہی اُٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری
ثابت ہونے کا بار بھی اُٹھ نہ سکا

اے عزیزوں سے دلِ خوں گشتہ کیا ہوگا بحال
اب تو جو ہونا تھا وہ اے چشم کافر ہو چکا

بوئے گل ہیں فسوں ہی وہ نہ رہا	موسم بدلا جنوں ہی وہ نہ رہا
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر	جب اپنی رگوں میں خون ہی وہ نہ رہا
بگڑا میں بہت اُنپہ مگر بات بنی کیا	آنا بہ تکلف جو ہوا بھی شدنی کیا
زمزمہ اوج فلک پر ہے یہی ہر برڈ کا	ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہر ورڈ کا
زینت گیتی ہے ملک اعظم برطانیہ	سکہ بیٹھا ہے دلوں پر حضرت اڈورڈ کا
ہمکو ابرو کی کجی[1] نے مارا	شیخ صاحب کو کجی[2] نے مارا
خانۂ دین ہوا القصہ تباہ	آئی آواز کہ انا للہ
گئی حق پرستی بھی اس دور سے	شرافت کو بھی چرخ نے تہ کیا
یہی شرط دعوت ہے اب قوم میں	اگر سیم داری بیارد بیا
پیدا ہوا دماغ میں جوش نشاط کیا	ننھا سا پھول دیکھیے اسکی بساط کیا
اثر سب پر پڑا ہے انقلاب رنگ عالم کا	نہ اب ہے طن کا موقع نہ ہے اب وقت ماتم کا
بسر کر با قناعت زندگانی کنج عزلت میں	نظر میں پر مناسب ہے تصور چھوڑ دے ہم کا
کیا زور تھا وعظ نیچر میں دیوتاؤں کا بھی جی چھوٹ گیا	تقوی کی بنائیں ہو گئیں شق شیرازہ ملت ٹوٹ گیا
ایک اس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر	یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا
شکر ادا کرنا ہے واجب انکی طبع نیک کا	ہر ڈنر سے بھیجتے ہیں مجھکو فوٹو کیک کا
ضعف ہے رعشہ ہے یا غربی ہوا کا ہے اثر	ہینڈ[3] کو میرے مرض لاحق ہوا ہے شیک[4] کا
ہم تو ہر حال کو ماضی ہی سمجھ لیتے ہیں	لوگ مر جائینگے اور وقت گذر جائیگا
شیخ لندن میں بھی مسجد کی بنا پر ٹھن گیا	کعبۂ دل میں کلیسا عشق مس کا بن گیا
[illegible] فقط کہا	اکبر نے یہ کہا تو کہو کیا غلط کہا
فتح عرب پہ گو ہے تمہیں شوق ناز کا	بہتر ہے اس سے ذوق درود و نماز کا
گردن اٹھائیے نہ بہت پالیٹکس میں	مسجد میں اب ہے کام جبین نیاز کا

[1] ایک نفس پرستی میں مبتلا ہے ۱۲ [2] ایک آنر پرستی میں مبتلا ہے ۱۲ [3] ہاتھ ۱۲ [4] جنبش۔ شیک ہینڈ، ہاتھ ملانا ۱۲

ہو جاگتوں میں شامل یا تو ہو سونے والا
ہو کر رہیگا اکبرؔ جو کچھ ہے ہونے والا

وقت ہی پر ہر ایک کام اچھا
آسمان کا پروگرام اچھا
قرب ہے جنکو تخت شاہی سے
دور ہی سے اُنھیں سلام اچھا

فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا
زیادہ اب شب غفلت میں سو نہیں سکتا
گذر گیا دلِ دنیا پسند دنیا سے
اس انجمن کا میں اب رکن ہو نہیں سکتا

مصیبت آپڑی تو سہل ہے شدت سے غم کرنا
مگر مشکل ہے جینا باخبر غفلت کو کم کرنا

کرتا نہیں کوئی اِن میں ذکرِ مولیٰ
ہے مانگ روپے کی غل ہے دنٔ لاستولا

مجلس ہے یہی تو اس سے عزلت بہتر
دنیا ہے یہی تو ترک دنیا اولیٰ

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

بے زور نمود کا اثر کیا
جب مغز نہیں تو لفظ اسر کیا

صوفی کا مذہب مختصر سب سے کہرا سب سے جدا
ہم تم کے جھگڑے لغو ہیں یا کچھ نہیں یا سب خدا

نہیں اہل یقین جب وہ تو یہہ کیا مذہبی ہونگے
اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ اُستادوں کے باطن کا

ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جکڑا ہی
مغربی فقروں نے لیکن منھ کو انجن کر دیا

طلب ز ر ہ ہے جنکو اے اکبرؔ
وہ رہیں منکر خزانہ غیب
ہم تو مضمون وہیں سے پاتے ہیں
معتقد ہم تو اُسکے ہیں لاریب

نہیں مناسب کہ ہو یہہ ظہوا ابھی حریف موبز صاحب
بجا ہے فرما رہے ہیں جو کچھ حکیم عبدالعزیز صاحب

حکیم اور بید یکساں ہیں اگر تشخیص اچھی ہو
نہیں صحت سے مطلب ہے بنفشہ ہو کہ تلسی ہو

حواس مختل سمجھ پریشاں عمل میں سستی قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے کبھی کوئی پالسی ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبرؔ
مقیم دیر و مرید شیخ و اسیر قانون و محو مغرب

اگلی روش جو تھی وہ تھی پیغمبری کی بات
موجودہ ہر طریق ہے کاریگری کی بات

پڑا اٹھا چٹائی پہ گوشے میں میں
نہ اُٹھا جو آئے مرے ایک دوست
شکایت اُنہوں نے جو کی کہہ دیا
تواضع ز گردن فرازاں نکوست

در کار چندہ سیم و زر از جیب دور رفت
مال حضور بود براہ حضور رفت

تضمین بر غزل حافظ

واقفِ سرِ خفی حافظِ اسرار بماند
حد بیگانہ باطن صفت اظہار بماند
خلق صد رہ طرف شبہ و اقرار بماند
ہر کہ شد محرم دل در حرم یار بماند

وآنکہ این کار ندانست در انکار بماند

شش و پنج اسمیں کیسکو ہے نہ ہے ہفت ہشت
بے خطر کوچۂ رندی میں لگاتے رہے گشت
نہ تو گلشن ہی ہوا شعر ض اپنر نہ تو دشت
خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت

قصۂ ماست کہ بر ہر سر بازار بماند

قیس و فرہاد کے قصوں سے بھرے ہیں دفتر
آجتک اُن کے فسانوں کا دلوں پر ہے اثر
خوب فرما گئے ہیں حضرت حافظ - اکبر
از صدائے سخن عشق نہ دیدم خوشتر

یادگارے کہ درین گنبد دوار بماند

میں نے کہا کہ اب تو مسجد سے ہے مجھے کد
گرجا اُبھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بیحد
میں نے کہا مخالف ہی ابھی ہوں - تو بولا
میری ہی پالسی کی واللہ ہے یہ ابجد

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشتِ خاک ما ہم بر باد رفتہ باشد

غم عشق تو دلے را چو لطیف و پاک سازد
غم دہر را چہ یارا کہ ورا ہلاک سازد
بس من تگست بر من نظرے کہ کس نداند
دل من گرفت اند دے اثرے کہ کس نداند

چو سوال کردم از وے ز مآل کار کالج
ز پروفسر شنیدم خبرے کہ کس نداند

طفل مکتب کہ سخنہا ز زبان میگوید
طبع او فوٹوگرافست و سرودش سبقش
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں میگوید
آنچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

نہ سُنّی ہے خوش اور نہ شیعہ ہے شاد
غم ٹرکی و ماتمِ پرشیا
ہے دونوں کے مرکز میں برپا فساد
سدس اُدھر ہے اِدھر مرثیا

ہے دلِ روشن مثال دیوبند
ہاں علیگڈھ کی بھی تم تشبیہ لو
پیٹ ہے سب پر مقدم اے عزیز
اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند
اک معزز پیٹ بس اسکو کہو
گو کہ فکرِ آخرت ہے اصل چیز

نہ ہر کہ ووٹ بیند وحشت ممبری نداند
نہ ہر کہ ہیٹ بپوشید و کوٹ در بر کرد
نہ ہر کہ کھٹ بسیا موخت لیڈری داند
اداے مغرب و آئین مسٹری داند

تھی مرے پیشِ نظر وہ مس تہذیب پسند
ملک الموت نے ناگاہ کھری ایک زغند
کبھی وہسکی مجھے دیتی تھی کبھی شربت قند
پارک کو چھوڑ کے ہوتا ہی پڑا قبر میں بند

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پر
فضل خدا سے بت ہی نہیں آئے راہ پر

ہیں اہل جہاں منکر اللہ سے کد پر
ہنگامے اُنہیں کے لئے ہیں صلِّ علیٰ کے
دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پر
جو زیست میں عاشق تھے ہو اللہ احد پر

حضرت کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک
تھی شانِ جلالی کہ عدو رُک گئے آخر
ہر ذرہ کو ہے وردِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكْ
وہ نور تھا عالی کہ صنم جُھک گئے آخر

میں بھی ہوں بدل موید آزادی کا
آزاد ہوا اسلئے کہ اغیار ہوں قید
لیکن اک نکتہ سُن لے اے پاک ضمیر
مطلب یہ نہیں کہ خود ہو غیروں کے اسیر

شتر و روباہ سے کمتر ہیں بن میں محتبس ہو کر
قرارِ دل نہیں تو نورِ عرفاں کیا جگہ پکڑے

بنے ہیں شیر کتنے زینتِ آغوشِ ہوس ہو کر
وہ شکلِ مہر و مہ موجود ہیں کب ہے منعکس ہو کر

احباب نے طویل مضامین وہاں پڑھے
میں نے تو بزمِ لغت میں اتنا ہی پڑھ دیا

لیکن مری زبان کا تھا حصہ مختصر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پیری و افسردگی سب کچھ سہی اکبر مگر
یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی پیچ پر

ظلم ہے تیری خموشی شوخیٔ گفتار پر
اور دین ہے کیا بس ضرورت کی سیج پر

نہ سن تو قرآن کا وعظ بھائی خوشی سے تقلیدِ بکس لے کر
پھرے گا کیمپوں میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لے کر

فاقہ سمجھو نہ اسے اس میں ہیں اسرار نہاں
نہ تجارت کا سلیقہ نہ عبادت سے لگاؤ

عالمِ دین جو ہیں وہ جانتے ہیں صوم کے پھیر
یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں یا قوم کے پھیر

اس نظم کا نقطہ نقطہ ہے منبعِ نور
اوجِ ملکوت کا ہے عالم ہر لفظ

ہر حرف سے ہے تجلیٔ حق کا ظہور
ہر بیت اقبال کی ہے بیت المعمور

اللہ رے انقلابِ طرز و مذاقِ مشرق
لیلیٰ کا ناز رخصت - اسکول مسٹرس ہیں

حافظ کے شعر کیسے سب پڑھ رہے ہیں ریڈر
سودا سے قیس غائب اب وہ بنے ہیں ریڈر

ناتوانی در جہاں طالب مشو مطلوب باش
مذہبے در گردنم افتاد اکبر چارہ نیست

با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
یا ہمہ آزادگیہا یا یکے منسوب باش

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش
ارشاد ہو تو قسمِ سوم کو بھی کر دوں عرض
لیکن کوئی بھی قسم ہو اچھا ہے شعر اگر

اک شاعری وہ ہے جو دلاتی ہے دل کو جوش
اک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ لوش
محفل کو بنا لیگا ہمہ تن پائیگا گوش

پیش آئے ہیں امورِ عادت کے خلاف
اولا کو غالباً یہ ہے تکلیف شدید

پایا انہیں سب نے اپنی راحت کے خلاف
وہ خود ہی ہیں مورثوں کی خصلت کے خلاف

آنے والے نذر ہے انجمن دل کی طرف
کوئی کالج کی طرف ہے کوئی کونسل کی طرف

بل کھاؤ ہزار خواہ چھانٹو منطق
نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پر عاشق
لکھی ہے صحیح اک فرنگی نے یہہ بات
مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

وسعت ہو زبان کی ادھر جھک
متروک کو دیکھکر تو مت رُک

ہے لیڈر قوم کون۔ جب ہو یہہ سوال
کہدو اکبرؔ۔ کہ بس برٹش اقبال

فطرت سے الگ اگر تمہارا ہے خیال
تاثیر کچھ اُسمیں ہو یہہ ہے امرِ محال
گو طرز بیان پہ شورِ تحسین اُٹھے
مقبول نہ ہوگے پیش اربابِ کمال

کوئی[1] کہتا ہے رکھو صاحب سے میل
کہ آنر کی گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ مہند و کھیلے
مری انجمن بھی اُسی رُخ سے چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دلمیں چوٹ
عوض لڈے کے اسمیں چلتے ہیں ووٹ
کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس
کوئی شہد اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوق تحقیق میں غرق ہے
کوئی راہِ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دھن
کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق
کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں
سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر بحر ہستی بہائے بہیں
خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات
مسلمان کو ہے فرض اُدھر التفات

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہوے جمع بہرِ دعا و سلام
کلیسا میں انگریز عالی مقام
کہا مینے ہوں میں تو مسجد سے دور
تو گرجا میں انکا ہے کیوں اژدہام

[1] حسب فرمائش و اصرار اڈیٹر نظام المشائخ برائے رسول نمبر

خدا جانے آئی کدھر سے صدا
کہ اے بیخبر مسلم ناتمام

کسے را کہ اقبال باشد غلام
بود سیل خاطر بہ طاعت مدام

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
گو یا کہ شبین بہت ہیں اور روز ہیں کم

ہر چرب زبان نہیں ہے شمع اخلاص
جلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

صوم ہے ایمان سے رخصت صوم کم
قوم ہے قرآن سے رخصت قوم کم

جلوۂ قدرتِ باری ہے سدا پیش نگاہ
نہ حکومت کا ہے ماتم نہ غمِ مال سے کام

کوئی ماضی میں ہے الجھا کوئی مستقبل میں
صوت سرمد پہ مجھے تو ہے فقط حال سے کام

مغالطے میں پڑے ہیں ہمارے اہلِ وطن
کہ قوم کے لئے مذہب کا کوئی کام نہیں

قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانے میں
کہاں کی قوم جب اسکا کوئی قوام نہیں

بت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں
اللہ کا نام لیں تو یہ واہ کہاں

خاموش رہیں تو دل کو سے چینی ہو
بھاگیں تو سکت کسے ہے اور راہ کہاں

قولِ ملحد ہے کہ پتھر ہو گیا میرا سین
اور فلک کی ہے صدا وَاللہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن

ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دہر کا
دیکھنا ہے کون جیتا ہے دنیا یا کہ دین

کمیٹیوں میں ہے رونے کا خوب شوق انھیں
مگر نماز و دعا کا نہیں ہے ذوق انھیں

بغیر طاعتِ حق ہے محال یک جہتی
خدا کرے نظر آئے تحت و فوق انھیں

دخل انکو نہیں عشق و محبت کے فنون میں
بے ہمت و بے سوز یہ جانین ہیں تنوں میں

بے شمع کے پروانے ہیں واللہ یہ اکبر
رقصاں ہی انھیں دیکھ لو بس انجمنوں میں

اسیرِ بحث کب با غیرت و ذی ہوش رہتے ہیں
مٹا دیتے ہیں مٹ جاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں

معانی گرم رکھتے ہیں جنھیں اللہ اکبر کے
انھیں سینوں میں اے اکبر دلِ پر جوش رہتے ہیں

عجب میدان ہے جسمیں ہے مشق سعیِ بیحاصل
عجب بستی ہے جسمیں مرد ناحق کوش رہتے ہیں

کیجئے جو صرف طاعت ور و حانیت سے بحث
مجھکو ہنوز امید سے بیگانگی نہیں

مکر و فریب و ظلم یہہ سب اُسمیں ہیں مگر
شیطان ہیں دلیری و مردانگی نہیں

کہنا مجھکو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں
دینی علموں کی موج کو بہنے دیں۔
شبلی کی دُعا ہستان مغرب سے یہہ ہے
ندوہ کو حضور قبلہ رُخ رہنے دیں

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں
قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو
جب ریل ہے سامنے تو جبریل کہاں

اس پیڑ میں خوب ہی کٹھل آئے ہیں
ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
اکبرؔ نے کہا کہ ہم غریبوں کے لیے
نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

نہ ہوں۔ جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں
پسند فرض نہیں اور مجھے گزند نہیں
بجز خطائے نظر۔ اور سہوِ کاتب کے
کچھ اعتراض گر ہیں تو سودمند نہیں
حدود میں نے معین کئے ہیں اپنے لیے
اور اُن حدود کے اندر کہیں میں بند نہیں

یہ قولِ کفر جو مانو کبھی تم بفرضِ محال
کہ روح ہیچ ہے اور بعد مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی بشر کو اک نعمت
وگرنہ دِل کے لیے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

آپ کی کل میں مرا سوت تو کتنے کا نہیں
کفر کے ساتھ ہیں اخلاق برتنے کا نہیں

وہ کبھی مجھکو جواب نامہ لکھتا ہی نہیں
جب گلا کرتا ہوں کہہ دیتا ہے کچھ پہنچا ہی نہیں

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب[۱] کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھکو صبر
کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر
غصہ عبث ہے آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
اے قبلہ مجھ پہ آپ چڑھے آتے ہیں یہہ کیوں
ممبر اس انجمن کا ہوں۔ منبر نہیں ہوں میں

روپے کو اپنے کریں صرف وہ جو غلّے میں
تو کام آئے غریبوں کے اس محلے میں
یہ بات مجھکو تو اے ہاشمی پسند نہیں
کہ صرف دولت عشرت ہو گیند بلّے میں

ڈپیوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُسنے شملے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گملے میں

[۱] آپس کی خانہ جنگی مراد ہے نہ کہ وعظ مذہب

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اسدرجہ حیرت ہے — تمہارے واسطے یہ کیا محل رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں — حرم کے محرم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں — ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں
کہا مہدی نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب ہے — محبت ہو نہ ہو انکو امید اسکی یہاں کب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مفسد ہے — کہا مہدی نے ہاں اسبات سے بندہ بھی واقف ہے

مفقود ہے گو کہ آج یارونیشن — صد شکر ہوا ظہور کارونیشن
مانگو خالق سے حضرت جارج کی خیر — تم بھی ہو جاؤگے لوٹ مارونیشن

حضرت خود واقعات تصنیف کریں — ہم بیٹھکے انجمن میں تعریف کریں
فطرت پہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو — بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں — سلف گورنمنٹ نے مارا ہمیں
کام تو جو کچھ ہے وہ ہے آپ کا — نام ہی نے صرف ابھارا ہمیں
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب — خوب دیا تم نے سہارا ہمیں
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اڑے — ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
آئینہ ہے حسرت دنیا کا حال — یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
جلوہ دکھانے کا انھیں شوق ہے — کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

غضب کی آتش فشاں ہوا ہے پڑے ہیں بستر پہ جل رہے ہیں
عرق میں ڈوبے ہوئے سراپا تڑپ رہے ہیں ابل رہے ہیں

ستاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اپنا کام کرتے ہیں — تجھے حیرت تو انپر ہے جو اس ہٹنے پہ مرتے ہیں

انگریزی نہ آئے تو ایجاد کیا کریں — قایم عروج قوم کی بنیاد کیا کریں
خامے سے کام لیتے ہیں بیکار عقل ہے — یا ترجمہ ہے یا تو کتابوں کی نقل ہے

یہ تو مشکل ہے کہ آپ اسپیچ دیں ہم چپ رہیں — ہاں مگر اسمیں نہیں کچھ عذر جو کہیئے کہیں

مرد جنٹلمین ہو کر پار ہے ہیں جب عروج
مطمئن رہیے نہ رہجائیگا عورت کا حجاب
اک طرف دام ترقی اک طرف موج شراب

بیبیاں گھر گھر ہیں رنج کس بہر سی کیوں ہیں
چادر قومی کی آخر کھلتی جاتی ہیں تہیں
ہر طرح حاضر ہیں ہم کہیے پھنسیں کدھر ہیں

اگر مذہب خلل انداز ہے ملکی مقاصد میں
تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

ترقی کی تپیں ہم پہ چڑھا کیں
رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبیں
گھٹا کی دولت آپیچیں بڑھا کیں
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

مرے طرز فغاں کی بوالہوس تقلید کرتے ہیں
خجل ہونگے اثر کی بھی اگر امید کرتے ہیں

جہاں کے انقلابونکے بھی کیا کیا رنگ ہوتے ہیں
بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے دنگ ہوتے ہیں

گذر انکا رہا کب عالم اللہ اکبر میں
پہلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ہمیں تو چاہتے ہیں کھینچنا خود ہمسے کھنچتے ہیں
یہ انکی پالسی کے باغ کس پانی سے سینچتے ہیں

نہ اب وہ طشت زریں ہیں نہ وہ چاندی کے کلسے ہیں-
کمیٹی خوان نعمت ہے فقط لفظوں کے جلسے ہیں

فلک پر شان عظمت سے ستارے جگمگاتے ہیں
یہی نظارہ ہمکو محو رکھتا ہے سدا اکبر
خدا کی سلطنت کی جوبلی ہر شب مناتے ہیں
فرشتے بے ٹکٹ یہ منظر اعظم دکھاتے ہیں

قدم انگریز کلکتے سے دہلی میں جو دہرتے ہیں
تجارت خوب کی اب دیکھیں شاہی کیسے کرتے ہیں

خدا ہی کی عبادت جنکو ہو مقصود اے اکبر
وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرز عبادت میں

فلک کو ضد ہے کہ منت کروں پئے راحت
وہ کہہ رہا ہے کہ ذلت سہو تو جاؤ چمک
مجھے یہ ہٹ ہے کہ ایذا سہوں اور اُف نہ کروں
مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تُف نہ کروں

پیارا ہے فقط اللہ کا نام آرام اُسی سے روح کو
اور یوں تو حوادث بیحد ہیں دنیا میں بہت افسانے ہیں

عجب کیا شیخ بر گئے ہیں جو مشتاق غلامی ہیں
ہمارے اونٹ صاحب خود ہی کمسریٹ کے حامی ہیں

تغیر کو نامے ہیں وہ بائی ڈیر لکھتے ہیں
مجھسے بیگانہ روشی ہے مجھے سر لکھتے ہیں

[illegible] اب پنڈت جی مہراج کہاں

تھی بات کہی جس نے یہ کہا جب لاگ لگی تب لاج کہاں

[illegible] ڈھونڈتی ہیں

[illegible] وہ نہیں ہے اے اکبر جو بات تھی کل وہ آج کہاں

برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو سودر جان

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

سو تم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمہیں

سو تم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

تو کرتے رہیے کام اپنا انھیں حالات پستی ہیں

اکبر اسی پہ ہے کل یا تم نہیں یا ہم نہیں

خیال تھا سوئے تشبیہ جستجو میں تھیں

کہ دل مرا تھا اور اس دل کی آرزوئیں تھیں

جا تیرے غبار رو کہیں اڑو چرخ پہ چھو لو

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اللہ بلانے والا ہے مرنے کے لئے طیار رہو

اٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو

فلک کو کد ہے بگڑو اور بگاڑو

ستم غیر ضروری ہے یہ فلک کا دیکھو

اپنے مٹنے کا بتدریج تماشا دیکھو

خود تو پہلے مگر اے یار مسلمان بنو

[illegible] مرد عورت بچے ۱۲

ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو انکا ہم سفر
موجوں کا اے حباب نہ دے تو اُبھر کے ساتھ

فلسفے میں کیا دھرا ہے فکر کا ہو یا لندنی
سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ

دشمنِ دانا سے بچ پہچان لے نادان دوست
صرف لفاظی سے ان روزوں نہیں ملنے کی بھیک

دلا دے ہمکو بھی صاحب اسے لائلٹی کا پروانہ
قیامت تک رہے سید ترے آنر کا افسانہ

اڈیٹر بول اُٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتب خانہ

مبصّر کہہ رہے ہیں وضعِ ملّت کے تغیّر پر
بند ہی یہ ذہن تو بس اب ہو چکا مسلم کا اترانا

بہت مشکل ہے نبھنا مشرق و مغرب کا یارانہ
ادھر صورت فقیرانہ اُدھر سامان شاہانہ

مبارک شیخ کو نانِ جویں کے ساتھ یہ قرأت
ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا

یہ یونیورسٹی کا مسئلہ کیا کم تھا اے گردوں
کہ چھیڑا تو نے ہم میں ٹرکی و اٹلی کا افسانہ

یہ قسمت شیخ جی کی ورنہ اکبرؔ
کجا وہ بُت کجا امنت باللہ

مرشد کی طلب میں جو میں اٹھا تو یہ بولے
اک پیرِ ڈنر خوردہ و ہر سمت دویدہ

مردہ سمجھ انکو کہ جو پہونچے ہوں خدا تک
مرشد ہیں وہی جو ہیں گورنمنٹ رسیدہ

مجھکو حسرت نہیں اسکی کہ کریں یاد مجھے
یاد آئی بھی تو کیا آئی جو تحقیر کے ساتھ

مسمریزم کی ہو۔ تدبیر تو ادوں ہی پہ مشق
چھوڑ دیں مجھکو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ
لذت اسمیں ہے کہ ملجائے ترے دلمیں جگہ

ہر اک مسلم پکارتا ہے وہ خواہ انسی ہو خواہ جنّی
خدا کی طاعت سے جو ہے باہر فلیس منّی فلیس منّی

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی
دشمن اُسے سمجھیگی نظر دیکھنے والی

اکبرؔ کی فغان کو نہ کہو خام خیالی
فرماتے ہیں رو رو کے یہ خود حضرت حالی

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

شیطان ہے دل جو نورِ ایماں نہ رہے
دشمن ہے زبان جو وردِ قرآن نہ رہے

کہتی ہے یہہ ہسٹری یہ آواز بلند
تم کچھ نہ رہے اگر مسلمان نہ رہے

نہایت سچ یہہ قولِ میرزا سلطان احمد ہے
کہ مذہب خود دعا ہے پھر دعا سے کیوں تمھیں کد ہے

روز افزون ہے بلا شبہ برکتِ اقبال
جو خلاف اسکے تصور کرے وہ وہمی ہے
اپنا اقبال مگر اسنے جو سمجھا ہے اسے
یہہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

بہت ہے ذکرِ مذہب کمپ میں ذکرِ خدا کم ہے
فغان کا شوق بیحد ہے مگر ذوقِ دعا کم ہے

حفظِ عصمت کبھی سہی لیکن یہہ پردہ ہند میں
مسلمونکی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے اب اسکی ضرورت ہی نہیں
میرزایانہ ادا تھی سلطنت کی بات تھی
خون میں غیرت ہی باقی تو سمجھے گا کبھی
خوب تھا پر وہ نہایت مصلحت کی بات تھی

دونوں کو اگرچہ ہے طلب آنر کی
رخ انکے جدا ہیں اسکی علت کے لئے
بنیاد وہ اپنی چاہتا ہے مضبوط
بیچین ہے یہہ نمود حالت کے لئے
ہندو عزت طلب ہے زر کی خاطر
مسلم کو طلب ہے زر کی عزت کے لئے

احسان نہ کچھ الحاد کا ہے امداد نہ کچھ شیطان کی ہے
اکبر کی دلیری حق پہ یہہ ہے یہہ زندہ دلی ایمان کی ہے

وہ نیو قوم کی ہے نہ پیشہ نہ کھیت ہے
بگڑے چلن رہے ہیں نہ دنیا کی ریت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہہ شورشِ رقص ہے
رنج و محن کا ساز ہے چکی کا گیت ہے

ممدوح شرق و غرب و شمال و جنوب تھے
تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تم سے کہ کیسے ہیں
ہاں اسمیں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

نقشِ ماضی منظرِ بے معنی و مفہوم ہے
مصلحت فطرت کی ہے یا ذہن کا مقسوم ہے
پڑ رہا ہے لاکھوں ہی سوچوں میں یہہ بحرِ فنا
ورد کے قابل فقط یا حی یا قیوم ہے

اس بات میں ہے اک رمز نہاں اس قافیہ میں چالاکی ہے
جب آہ و بکا کا ذکر نہ ہو تو وہ مجلس بے باکی ہے

مجھ گدا کو کر دیا رخصت جو دے کر عطر پان
فاقہ تو ٹوٹا نہیں ۔ ہاں عزت افزائی ہوئی

مرکزِ دل بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں
ہر طبیعت مغربی چکّر میں ہے آئی ہوئی

مذہب و وضع و زبانِ قوم کا کسکو خیال
جب اکابر کی نظر آنر کی شیدائی ہوئی

نظمِ اکبرؔ کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب
یہہ اُسے معلوم ہے ٹلتی نہیں آئی ہوئی

نشۂ مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے
یہہ ہے کے دن کی سروس اور وہ کبتک معزز ہے

جو مستی اس سے پیدا ہوگی دخترِ ہوگی وہ کسکی
یہہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمہاری دخترِ رز ہے

نہ پھیلا پاؤں تو اتنا حیاتِ چند روزہ میں
سمجھ لے قبر میں تیرے لئے جا صرف دو گز ہے

نہیں ہے کچھ شدنی بے اصول ارادوں سے
خدا بچائے تجھے اِن زمانہ زادوں سے

وہ وقعت اُٹھ گئی جب دل سے آئین حجازی کی
امام قوم بننے کو ضرورت کیا نمازی کی

بتوں سے اب تو ہیں سرگوشیاں واعظ کی محفل میں
نہ کوئی مجلسی کی بات سنتا ہے نہ رازی کی

ٹھیک پڑھ سکتا نہیں کہتا ہے ناموزوں مجھے
خود زبانِ معترض ہی خارج از تقطیع ہے

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے

پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

مادہ نہیں اتنی مضطرب نر کے لئے
آمادہ ہیں جس قدر وہ آنر کے لئے

نو حصے تم اپنی نوکری کو دے دو
دسواں حصہ تو ہو پیمبر کے لئے

ہوش آیا ہے تو ہنگامۂ ہستی بھی سہی
حسّ لذت ہے طبیعت میں تو مستی بھی سہی

اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن
صورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں
کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے

نیچر ہی سے اُبھرا ہے ترا قامتِ رعنا
نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

سبے دہنوں کو جوشِ مستی کیا ہے
ہندوں میں یہہ خود پرستی کیا ہے

کہتی ہے فلک کی گردش ان سے — تم کیا ہو تمہاری ہستی کیا ہے

کہتے ہیں وہ کہ اکبر کچھ بادلا ہوا ہے — مذہب میں بات کیا ہے مسجد میں کیا دھرا ہے
اک روز لاٹ صاحب سے بھی تو پوچھ دیکھیں — گرجا میں کیا دھرا ہے جیتا جو واں پڑا ہے

مجھکو بے دل کردے ایسا کون ہے — یاد مجھکو انتم الاعلون ہے

عامل ہے ہوا باغ کی معمول ہے مٹی — مٹی ہے کبھی پھول۔ کبھی پھول ہے مٹی

ہے جلوۂ مہر پرتو ماہ تو ہے — سینے میں تمہارے قلب آگاہ تو ہے
ظاہر جو نہیں ہے حامی دین کوئی — بیدل کیوں ہو رہے ہو اللہ تو ہے

رخصت وہ ہوا جو آیا تھا وہ جائیگا جو آیا ہے — حیرت ہو تو کیا صدمہ ہو تو کیا دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے

سینے پہ بحر حسن کے سونے کی چین ہے — سمجھیں ہیں دو حباب طلائی یہہ بٹن ہے

زمانے میں مجھے خواہش نہ اسکی ہے نہ اسکی ہے — سرور طبع کو کافی فقط اک جام وہسکی ہے

حسب فرمائش اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

کیونکر کہوں طریق عمل انکا نیک ہے — جب عید میں بجائے سوئیوں کے کیک ہے
مجبور ہوں مگر نہ ملوں ان سے کس طرح — ابتک وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایک ہے

اکبر کی صاف گوئی کو میں نے کیا پسند — کل کہہ رہے تھے بار میں اپنے کلیگ سے
اللہ سے لگائے رہیں تو جناب شیخ — ہمنے تو دل کی لاگ لگائی ہے لیگ سے

موٹر سے نہ گردن کبھی اسنے یار نکالی — تونے نہ مری حسرت دیدار نکالی

بتکدے میں جو ملکشا تھے وہ بالم ہو گئے — تھے جو کافر وہ حرم میں جان عالم ہو گئے
قصد یہہ تھا کر دوں اس مطلع کی شرح مختصر — لکھنے کو بیٹھا جو میں کالم کے کالم ہو گئے

شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے — شمشیر کو چھپایئے زن کو نکالئے

نقد و جنس انجمن قوم میں موجود نہیں — یاں تو نقشوں کی فقط خانہ پری ہوتی ہے

دار الاسلام اب نوشید اے بتانِ غرب ہے
اب انھیں کے زیرِ سایہ انکار دار الحرب ہے

کشتِ دل کو نفع پہونچے اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹکس کی تجویز ہے

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت
وضو کی اور مناجات سحر کی
مگر ہاں چائے پیکر حسب دستور
تلاوت کرتے ہیں وہ پائنیر کی

جب نئے عشقوں کے نقشے زیب ٹیبل ہو گئے
بیسیوں بندے خدا کے آنریبل ہو گئے

ہمارے شیخ شرعی زندگی بے سود کاٹینگے
مرے ولفیر میں بھی انٹرسٹ اب وہ نہیں لیتے

اب کہاں نشو و نما پائے نہالِ معنی
کس زمین پہ دل پر جوش کی بدلی برسے
بزم حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا
قوم کو کام ہے با ضابطہ لٹریچر سے

اس بت کی محبت نے چھڑایا ہمیں سب سے
باقی رہی الفت نہ عجم سے نہ عرب سے

لطفِ امروز اور ہے اور فکر فردا اور ہے
راہ دنیا اور ہے اور راہ عقبیٰ اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف
چشم بینا اور ہے چشم تماشا اور ہے

بادہ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے
کیا ضرورت نقل کی جب اصل ہی موجود ہے

ابھرا ہے رنگ سودا دیوانگی مری ہے
ہے جوشِ موسمِ گل جو پھول ہے پری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظِ عبرت
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

کعبے میں جلوہ گر ہی دیر میں مستتر وہی
لیتے ہیں ہم خدا کا نام کہتے ہیں رام رام بھی
بولی وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے
اب سمجھ انکو آگئی دوست بھی ہیں غلام بھی

مہمان فلک کہاں سکون پاتا ہے
آسودہ جو ہیں انھیں بھی بہلاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
ظاہر یہ ہے کہ پیٹ دوڑاتا ہے

منظور اے دل ہماری مرضی ہوگی
اسوقت کہ جب خدا کی مرضی ہو گی
اس دور فنا میں ہو گی لیکن جو بات
وہ صرف برائے نام و فرضی ہو گی

بہتر یہی ہے پھیر لیں آنکھوں کو گائے سے
کیا فائدہ ہے روز کی اس ہائے ہائے سے

کمزوریوں کو روک دیں زوروں کو کیا کریں
مسلم ہٹے تو فوج کے گوروں کو کیا کریں

منہ بند ہو سکیگا مسلمان شریف کا
چسکا مگر نہ جائیگا صاحب سے بیف کا

دنیا ہی اب درست ہے قایم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ اے جان جان شاہی گئی

بجا ہے جائے جو سٹ یونیورسٹی کے لئے
جنوں قوم کو جائز ہے اس پری کے لئے

قایم یہی بوٹ اور موزہ رکھیے
دل کو مشتاق رس ڈسوا زنار رکھیے
ان باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی
پڑھتے رہیے جو نماز اور روزہ رکھیے

نغمۂ قومی کا مطرب آجکل ہے ہرسٹی
تال ہے ذکر ترقی سم ہے یونیورسٹی
دین کی الفت دلوں سے انکے یونہیں گرمٹی
مسلم اٹھ جائینگے رہجائیگی یونیورسٹی
ہے ضروری لیڈروں میں غیرت و تقویٰ و دین
خود جو انمیں نقص ہو تو ہے یہ اسکیم پٹی

فرق آیا رنگ و بو میں ہوا کو ترس گئے
ایسے بہکے کہ ہند میں مسلم اُلبس گئے

کالج و لیکچر و حکام ہمہ در کارند
تا تو پاسے بکف آری و کنی عہدہ پری
طاعت حق بھی مگر شرط ہے روٹی جو ملے
شیخ سعدی نے کہا ہے کہ بغفلت نخوری

دیکھ آئے قوم سنتے تھے جسے
چند لڑکے ہیں مثل اسکول کے
بار آور پارک میں یہ ہو گئے کیا
گملوں ہی پہ رہ گئے ہیں پھول کے

ترقی ہو الٰہی شاہد مغرب کے جوبن کی
عجب خوش فعلیاں ہیں آجکل شیخ و برہمن کی
نہ چندہ ہے نہ بندہ ہے فقط مغرب کا خندا ہے
اگر چندے یہی حالت رہی شیخ و برہمن کی

کالج ہے دینوی فوائد کے لئے
قایم ہے یہ ایسے ہی مقاصد کے لئے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں
کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لئے

کہتا ہوں تو تہمت حسد ہوتی ہے
خاموشی میں دلکو سخت کد ہوتی ہے
دنیا طلبی ضرور ہے انسان کو
لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

ایام شباب اور موسم گل تقویٰ کی یہاں کیا ہستی ہے
ہر عضو بدن سے لذت جو ہر قطرہ خون میں مستی ہے

خیال آتا ہے اکثر اے خدا کیا ہونیوالا ہے
قریب المرگ ہیں ہم پر بھی کوئی رونیوالا ہے

جسکو خدا سعید کرے وہ سعید ہے
روزے ہوئے ہوں جسکے قبول اسکی عید ہے

قوم کیسی کسکو اب اردو زبان کی فکر ہے
غم غلط کرنا ہے بس اور آب و نان کی فکر ہے

اک پہ اجماع اکثر کا بہت مشکل ہے اب
سب ہیں مضطر اپنے منہ مٹھو میان کی فکر ہے

ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزم سامعین
ہر زبان کو ایک تازہ داستان کی فکر ہے

عزم کر تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے
لطف کیا ہے لد لئے موٹر پہ زر کے زور سے

غیر ملکوں میں ہنر کو سیکھ تکلیفیں اٹھا
رہ سکتے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے

نسخہ آشفتہ یا المغرب سے چھپکے نیچری
بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے

نغمہ شپیا پہ حریفوں کو نہایت ناز ہے
وہ نہیں واقف مری آہ سحر کے زور سے

کالج بنا عمارت فخر النسا بنی
شکر خدا کہ بنگلے آخر بنا بنی

بے پردگی کی ہو نہ یہہ در پردہ اک بنا
جنکو یہہ ڈر ہے انکی تو جان پہ آبنی

لیکن نگاہ نبض شناسان وقت میں
امراض قوم کے لئے عمدہ دوا بنی

طلب اپنی نہ بڑھنے دے ضروری رزق کی حد سے
بچا لیگی قناعت تیری تجھکو کفر کی زد سے

وہ تم میں ہے خدا ہی کی حمد و سپاس ہے
دین خدا جدا نہ کرو اپنے پاس سے

عہدے جو سو پچاس کو اچھے تو کیا
قائم نہ ہوگی قوم کبھی سو پچاس سے

کیون خدا کے باب میں بحثوں کی آتی دہوم ہے
ہست میں شبہ نہیں ہے جو ہست نامعلوم ہے

اس تغیر پہ بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز
اور وہ کیا ہے فقط یا حی یا قیوم ہے

گئے وہ دن کہ ہم سب سے بڑھے تھے ہم سے سب کم تھے۔
ہمیں اب کچھ نہیں ہیں اک زمانے میں ہمیں ہم تھے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالج کی دھوم ہے
مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

روح کا پہچاننا سب سے بڑا سائنس ہے	اسلئے ہادیِ دین مطلوب جن وانس ہے
موسم گل میں خبر شورِ عنادل کی کہی	خوش رہے بادِ صبا اسنے مرے دل کی کہی
اشعار غیر سے تو مجھے کم سند ملی	من گفتم و محاورہ شد سے مدد ملی
عشاقِ وقتِ مرگ قرین کیوں ہوں یاس سے	خوش ہیں نجات مل گئی بارِ حواس سے
یہ کیا تم نے کہا اب کوئی ملجا ہے نہ ماوی ہے	خدا کے فضل سے بھائی علیگڈھ ہے اٹاوہ ہے
ذوق لقائے حق سے دل کو تمہارے بھر دے	باطن کی ہے یہ خوبی مشتاق مرگ کر دے
ہو خیر یارب اکبر آشفتہ حال کی	سرجن رقیب اور دوا اسپتال کی
دل میں قوت ہے کچھ نہ جان میں ہے	زندگی اب فقط زبان میں ہے
جانتا ہوں ہو رہا ہے جو نہ ہونا چاہیے	بحث یہہ ہے کب تلک اس غم میں رونا چاہیے
اظہارِ کیفیت میں اکبر تجھے کیوں کد ہے	اب بہرِ خدا چپ ہو رونے کی بھی اک حد ہے

جنھیں نہیں فکر آخرت کی یہہ بن سنور کر ادھر گئی ہے
اسی سبب سے عروس دنیا مری نظر سے اتر گئی ہے

اظہار اس سعیِ نازک کا الفاظ کی حد سے باہر ہے
ہر پھیر کے سمجھے ہے گرد اُسکے جو حد خرد سے باہر ہے

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے	اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے
دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہہ مستحق داد	منزل سے اسکو کام ہے اُسکو کلیل ہے
گلِ تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے	مرے صیاد نے بلبل کو بھی الّو بنایا ہے
تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دام بلا ہے	اے کاش کہ اس عہد میں ہم باپ نہوتے
یہہ آپ کی برکت ہے کہ پیچیدگیاں ہیں	بہتر تھا کمیٹی میں اگر آپ نہوتے
یہہ جو ہنگامۂ تزئینِ علائق و کامرانی ہے	تماشا غافلوں کا آج ہے کل اک کہانی ہے
مداحوں کو خوش ہو کے تو کیا دیکھ رہا ہے	جو حالتِ اصلی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بانیٔ طرزِ نو کے طریقوں کے متبع
البتہ ان بناؤں سے جنکے لئے ہے سعی
خلق انکو نہ چھوڑینگے اولاد کے لئے
کچھ جال چھوڑ جائینگے صیاد کے لئے

ہم اظہار خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے

خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں یہ تگاپو ہے
جہاں عشوے ہیں فطرت کے فقط اور عالم ہو ہے

گردوں کا نہ کر شکوہ اچھی نہیں خود غرضی
ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی

اکبر نے کہا واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش
الحمد رہی قایم منظور ہو یہ عرضی

زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے
وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گذرتے جاتے

ہم میں وہ خوبی و نکوئی نہ رہی
تعلیم جدید سے ہوا کیا حاصل
پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

شکلیں جو بنگئی ہیں یہ ذرّوں کا میل ہے
جھگڑے جو ہو رہے ہیں یہ فطرت کا کھیل ہے

اس روشنی میں خاک ہو نشو و نمائے شیخ
زیتون کا نہیں ہے یہ مٹی کا تیل ہے

موعودہ ترقی سے خوشی کیوں نہ ہو پیدا
امید کے انجن کا بھپارا ابھی بہت ہے

خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوب رہے ہیں
انکے لئے تنکے کا سہارا ابھی بہت ہے

میں بہت اچھا ہوں جی ہاں قدردانی آپکی
غیر پر پھر کیوں ہے اتنی مہربانی آپ کی

او کھیاں میں نے سنائی تھی حریفوں کو فقط
شیخ کیوں کود پڑے انکو خجالت کیا تھی

شیخ بولے کہ میاں یہ تو بتاؤ ہم سے
تمکو اس دیس میں پشتو کی ضرورت کیا تھی

مری سمجھ سے ہے باہر محیط بے مرکز
ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی

تمام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر
سبب یہ ہے کہ کوئی اور دلگی نہ رہی

چھائی جاتی ہے مرے دل پہ اداسی کیسی
ہمنشین ہے یہ بڑی بات ذرا سی کیسی

کیا ملے داد سخن بنگلہ نشینوں سے مجھے
وہ سمجھتے ہی نہیں قدر شناسی کیسی

قرآن کو زبان سے دل میں اتاریئے
چشم و زبان میں کیجئے پیدا اثر جناب
علمی نمود چھوڑ عمل کو سنواریئے
بعد اسکے بندگان خدا کو پکاریئے

انگریز خوش ہے مالک ایروپلین ہے
بس اک ہمیں ہیں ڈھول میں پول اور خدا کا نام
ہندو مگن ہے اسکا بڑا لین دین ہے
بسکٹ کا صرف چور ہے لمنڈ کا پچھین ہے

حامی صبر و طاعت حیران و مضمحل ہیں
رحمان کے فرشتے گو ہیں بہت مقدس
طامع غافلوں کی مضبوط پارٹی ہے
شیطان ہی کی جانب لیکن میجارٹی ہے

ضرورت کچھ نہ تھی اسکی کہ آپس میں بھی ہو جائے
حیات مذہبی سے بھاگنا تھا کھیل گڑیوں کا
سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے
کہاں کی قوم۔ ہاں کچھ بن گئے ہیں نازنیں گڈے

بعد مردن کچھ نہیں یہ فلسفہ مردود ہے
شیخ کالج چاہئے دیندار اور صاحب اثر
قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہے اور موجود ہے
ورنہ کیسا ہی ہو مقصد و کورس وہ بے سود ہے

مجھ سے ہے عذر غیر کو کونسل کا ووٹ ہے
ترکیب صلح کل نہ بنی دل پہ چوٹ ہے
واللہ اس ستم کی مرے دل پہ چوٹ ہے
سب سے بچے تو کیجئے کونسل کا ووٹ ہے

لفظ قومی پہ بلا ہرگز اکڑنا چاہیئے
اسکے یہ معنی ہوئے آپس میں لڑنا چاہیئے

ٹے ٹنک ٹکڑے ہوا ٹکرا کے آئس برگ سے
دب گیا سائنس بھی آخر پیام مرگ سے

وہ دلی احباب وہ مسجد کے ساتھی اب کہاں
ٹھیکہ داروں نے کیا نیلام قومی روح کو
مر رہا ہوں مجھکو بدخواہی کی قوت ہی نہیں
عیش کا بھی ذوق دینداری کی شہرت کا بھی شوق
دشمنوں کے دشمنوں سے گپ اڑایا کیجئے
چھاونی میں اب فقط روٹی کمایا کیجئے
خیر خواہی آپ ہی ہر دم جتایا کیجئے
آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجئے

گناہوں سے نہ باز آئیگی اور بستی سے بھاگیگی
جہنم سے سوا طاعون سے یہ قوم ڈرتی ہے

لندن سے دہلی آئے ہیں دس یوم کے لئے
یہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لئے

دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست
گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست

رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم
اے مدعیِ دینِ خدا شرم شرم شرم

بابو گر بجوئیٹ ہیں کالی کے ساتھ ہیں
اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں

بڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے لو نہیں پیر
کچھ خاک میں ملینگے تو کچھ ہونگے جزو غیر

کہتے ہو تم جو wee تو انہیں آتی ہے ہنسی
لیتے زبان شوق غلط لفظ میں پھنسی

wee کا پتہ کہاں ہے وہ کہتے ہیں کون ہیں
مرکز سے ہیں جدا نہ سوا ہیں نہ پون ہیں

آخر کے ساتھ نام گرامی بھی لکھ گیا
لیکن ادھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا

موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس سے ہے
ارشاد ہو غلط بھی تو اسکا ڈفنس ہے

ارشاد لاجواب تو قرآن ہی کا ہے
قانون بے مثال تو رحمان ہی کا ہے

وقعت تمہاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں
کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں

نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے
یہ پاینیر پڑی کی فقط اک مشین ہے

اک دل لگی ہے کانگرس ہو کہ لیگ ہو
ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو

طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں
شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں

وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر
ممکن نہیں کہ پایئے پھل جڑ کو توڑ کر

اک برگِ گُل کہیگا کہ ہم گُل کے جزو ہیں
تم خود کو کیا کہوگے کہ کس کل کے جزو ہیں

لاٹھی بھلی ملی ہو اگر اُس کی رگ سے رگ
بیکار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ

پھل پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار

گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے
کانٹوں میں اب پھنسو کہ ملٹن چاپ بن گئے

مانونگا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
پر بالارادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں

کلفت اسی کی مجھکو ہے ہر آن ہر نفس
لاکھوں کی سد راہ ہے دس بیس کی ہوس

گو اپنے ساتھ آپ کا ہمراہ نہ لے گیا
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں فقط یہہ تقاضائے muse میوز ہے
یاروں سے التجا ہے پلیز اکسکیوز please excuse ہے

ضمیمہ متفرقات

اسے اکبر ہمارے دل کا تڑپانا نہیں آتا
کہ جس کو علم تو آتا ہے شرمانا نہیں آتا

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہو گیا
جس طرف دیکھو دگرگوں حال سب کا ہو گیا
اس تغیر سے مگر اسکو نہیں پہونچا ضرر
انقلاب آیا بھی اکبر پر تو رب کا ہو گیا

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا
مصیبت جھیلنا اور ہادی راہ خدا بننا
شیئونوں[1] سے لپٹ کر اسقدر البتہ ممکن ہے
بباطن خود گھسٹنا اور بظاہر رہنما بننا

جب ایسی قوم ہے تو پیشوا بھی اسکے ایسے ہیں
مثل سچ ہے کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے ہیں

جو حکم واعتصمو ہمکو ہے بحبل اللہ
بتائے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں
ادب میں دین کے اور مسجد و نکی صفت میں ہے
کہ لیگ میں ہے وہ اور پائنیر کے کالم میں

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں
ہر طرح کا فرنیچر دکان سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اسکا علاج
انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

بگڑ جائے گی میری اس بت کی اک دن
اِلیٰ اصلہٖ یرجعُ کلُّ شیءٍ[2]

ہر ٹیں روح آجاتی ہے جب بے گوری رنگت کے
تو بے انگلش پڑھے روزی بھی مل سکتی ہے نیٹو کو

بلینک ورس یعنی بلاقافیہ

اجسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل
اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہمکو درس
ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ واہ
میں نے تو کر دیا تراز رتبہ بلند تر
از صحن خانہ تا لب بام از آنِ من
وز بام خانہ تا بہ ثریا از آنِ تو

[1] کلیں [2] ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے ۱۲

خود فن حرب سیکھ رہے ہیں پریڈ پر
میرے لئے چمن میں شٹل کاک کا ہے کھیل

اظہار ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ
تیرا ہی مشغلہ ہے بہت صاف و بے ضرر

آں اشتر ضعیف دلکد زن از ان من
دان گر بہ مصاحب بابا از ان تو

ضمیمہ غزل

عبث بالکل ہے۔ حالِ دل کسی سے آجکل کہنا
بہت جوش طبیعت ہو تو جائز ہے غزل کہنا

فقط تعمیر کالج پر میں پھولوں یہ نہیں ممکن
مبارک آپ ہی لوگوں کو ہو پتی کو پھل کہنا

طامع کو گداپایا قانع کو غنی دیکھا
اوروں کی نہیں کہتے ہم نے تو یہی دیکھا

عقدے بھی کھلے تجھ سے منظر بھی نظر آئے
آنکھیں بھی کبھی کھولیں دل کو بھی کبھی دیکھا

ساز قومی پر جوطا ہر ایکا ایسا ہو گیا
جو مخالف تھا وہ اپنی سر میں دھیما ہو گیا

بیٹھیں تو میں نے بھی دل کو کر دیا ہر کباب
تھا عدو چالاک تر بالکل ہی قیما ہو گیا

ہے تلون میں میرا آئینہ رو ہر رنگ چرخ
مہر طلعت دن کو شب کو ماہ سیما ہو گیا

عشق قومی میں بھی خطرہ ہے ہلاکت کا مجھے
لیڈروں کے شور سے جان بیما ہو گیا

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینوں سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا

ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغان خوش الحان ہو گئے چپ آہو نے اچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا

بدلی وہ ہوا گذرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

سلہ ایک قسم کا انگریزی کھیل

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہہ جوان جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساجد جب نہ رہا رکھے یہہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے ابلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قایم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس حور لقا کو گھر لائے ہو تمکو مبارک اے اکبر
لیکن یہہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

جواب شیخ میں یہہ تو کبھی کہا جاتا
کہ وہ ٹھیک ہے لیکن نہیں رہا جاتا

طمع نے دین کو کھویا جو ہوتے ہم قانع
کبھی نہ ہاتھ سے یہہ دُرّ بے بہا جاتا

امید وصل جو ہوتی نہ جانفزا اکبر
بھلا یہہ صدمۂ فرقت کبھی سہا جاتا

میں پوچھوں کیوں مرے مرنے پہ لوگ کہتے ہیں کیا
یہہ کیا یقین کہ ہے کچھ نہ کچھ کہا جاتا

ترا دل تو ہمیشہ امر خاطر خواہ چاہے گا
مگر ہوگا وہی اکبر کہ جو اللہ چاہے گا

غزل سننی ہو اکبر کی تو اسکو عذر ہی کیا ہے
مگر ہر شعر پر وہ انجمن میں واہ چاہے گا

کیسے وعدے تھے یہہ اس دن کے برا ہو جناب
آپ سے پھر نہ ملاقات ہوئی واہ جناب

میرے اشعار پہ کہتے ہیں بہت واہ جناب
نہیں کرتے مگر افزائش تنخواہ جناب

ابھی سو تک نہیں پہونچی مری تنخواہ جناب
آپ مجھکو نہ کہا کیجئے للّٰہ جناب

ووٹ بازی کے سوا رکھا ہی کیا ہے اسمیں
ممبری کے لئے کرتے ہیں عبث آہ جناب

بنتے جاتے ہیں غبارہ وہ نئی روشنی کے
ہو ہی جائینگے ثریا حشم و ماہ جناب

سامنا اک نگہ ناز کا ہے جان کی خیر
مہرباں اک بت عیار ہے ایمان کی خیر

یہہ تو زینت ہے کہ پہنے ہیں جڑاؤ بالے
یہہ قیامت ہے کہ اللہ مرے کان کی خیر

گوشہ دامنِ لیلیٰ بھی ہے تر اشکوں سے
ہم یہی کہتے تھے مجنوں کے گریبان کی خیر

ٹھن گئی آج یہی دل میں کہ پہونچوں اُن تک
یا مری خیر نہیں یا نہیں دربان کی خیر

ناز سے دامن اٹھاتی تھی جو اپنا لیلیٰ
زیر لب کہتی تھی مجنوں کے گریبان کی خیر

آپ کے ناوکِ غمزہ کی توجہ ہو جدھر
موت ہے دل کی منائے جو کوئی جان کی خیر

ادب سبحہ و زنار اُٹھا جاتا ہے
خیر ہندو کی نہ اب ہے نہ مسلمان کی خیر

تُرکِ شیراز سے خوش تر ہیں بتانِ مغرب
ظاہر اب نظر آتی نہیں ایران کی خیر

دلگی دین کی باتوں میں عیاذاً باللہ
شیخ لاحول پڑھا ہیں تم کہو شیطان کی خیر

اُسنے میدان میں سر دیکے کیا قوم کا نام
آپ بنگلے میں منایا ہی کیئے جان کی خیر

پارٹی کچھ بھی نہیں جب نہ ہو ذوقِ طاعت
قوم کی خیر نہیں جب نہیں ایمان کی خیر

اُس مسِ برقِ کلیسا کا ہے لکچر اکبر
آج تو علم بھی مانگے گا مُسلمان کی خیر

مزا آتا ہے گردوں کو مجھے بیچین رکھنے میں
مصائب جان دیتے ہیں مرے حس کی ذکاوت پر

جمالِ لم یزل کی معرفت کیونکر میسر ہو
کہ حس غالب ہے فانی انقلابوں کا طبیعت پر

یہہ غیرت دیکھیئے ضبطِ فغاں ہے اسلیئے مجھکو
کہیں نازاں نہو تکلیف میری اپنی شدت پر

کس طرح پردے میں رہے اے شیخ عورت اکطرف
سارے خیالات اکطرف ملکی ضرورت اکطرف

مشرق کے واعظ الطرف مغرب کی زینت الطرف
عقلی دلیلیں الطرف اور دل کی رغبت الطرف

اسپینسر و مل کے ورق ہیں کس قیامت کے سبق
کل توپخانہ الطرف بالو کی جرٔت الطرف

اکبر در بتخانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں
ساری خدائی الطرف اُس بُت کی صورت الطرف

ذکر خدا یادِ اجل کافی ہیں اسکے واسطے
میدان آخر الطرف اکبر کی ہمت الطرف

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہہ حسن نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا ابھرتے ہیں

مرا یہہ شعر اکبر ایک دفتر معانی ہے
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں

معنی کا حسن نہیں تو ترے دل ہیں کچھ نہیں
لیلی اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں

کارِ جہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے
اک دلگی ہے سعی ہیں حاصل میں کچھ نہیں

اے آفتاب خضرِ رہِ معرفت ہے تو
اتنے ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں

لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے
میرا مزا یہہ ہے کہ میرے دل میں کچھ نہیں

انکی سنو خدا نے کہا جن سے صاف صاف
اوہام کے فسانۂ باطل میں کچھ نہیں

افسانۂ حسن گل کا بڑی چیز ہے حضور
کہتے ہیں آپ شور عنادل میں کچھ نہیں

اسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کمپ
لیکن یہہ سب زبان پہ ہے دلمیں کچھ نہیں

حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا
حلوا تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں

دلکش بہت ہے افعی گیسوے اختلاف
گو نسل ہے کیوں کہوں کہ ترے بل میں کچھ نہیں

ستاتے ہیں جو وہ ہمکو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو ان پر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

جس طرف اٹھ گئی ہیں آہیں ہیں
چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں

ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو
چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

لطف چاہو اک بُت نوخیز کو راضی کرو
نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو

لیڈری چاہو تو فقط قوم ہے مہمان نواز
گپ نویسوں کو اور اہل میز کو راضی کرو

طاعت دامن و سکون کا دل کو لیکن ہو جو شوق
صبر پر طبع ہوس انگیز کو راضی کرو

زق زق و بق بق میں دنیا کے نہو اکبر شریک
چپ ہی رہنے پر زباں تیز کو راضی کرو

اتنی رغبت دل کی جب مے کی طرف ہے پی ہی نہ لو
دم نکل جانے کا اندیشہ تو ہے مجھکو مگر
بوسہ و سنبوسہ ارزاں بک رہے ہیں دیر میں

مدرسہ بالغ نہیں مسجد کا لوٹس ہی نہ لو
نزع میں تم ہو تو میں کیونکر کہوں ہچکی نہ لو
ہے کوئی جس سے کہوں یہ بھی نہ لو وہ بھی نہ لو

دل ترا ہو کہ نہ ہو ہوشیار راز کے ساتھ
کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر
گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کے طریق
ہاں عطا کی ہے جنھیں چشم بصیرت حق نے
اس گلستان میں نہیں کوئی ہوا خواہ مرا
پر شکستہ ہوں قفس میں نہ رہا ذوق چمن
دل رنگین کے ابھرنے میں تقنع کیسا
سعی پر اپنی بہت فخر نہ کر اے اکبر
نیچری سے کوئی الحاد کی بو پوچھے ترکیب

صوت سرمد تو ازل سے ہے اُسی ساز کے ساتھ
آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرداز کے ساتھ
اُنکے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ
سب کی سازش ہے اُسی نرگس غماز کے ساتھ
ولولے دل کے گئے قوّتِ پرواز کے ساتھ
فصل گل آتی ہے سامانِ خدا ساز کے ساتھ
طے منزل بھی ہے مشروط تگ و تاز کے ساتھ
دین چھوڑا ہے تو کس ٹھاٹھ کس اعزاز کے ساتھ

پارٹی بندی میں ہوتا ہے یہی اے اکبر
کیا تعجب ہے نظر آئیں جو گدھ باز کے ساتھ

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نہ دیکھیگا خدا بیگانہ تجھکو نور باطن سے
تری تعلیم جو کچھ ہو ہمارا تو سبق یہ ہے

نظر آتا ہے مجھکو بدر سے غارِ حرا پہلے
مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے
یہ سب فانی خدا باقی خودی پیچھے خدا پہلے

غیر کی حسرت نکلنے دیجیے
پارک میں کیا جاؤں ہے وقت نماز

خیر میرے دل کو جلنے دیجیے
بابو صاحب کو ٹہلنے دیجیے

طفلِ دل کو الفتِ زلفِ بتاں اک کھیل ہے — خیر ہو ایمان کی یارب کافروں سے میل ہے
مغربی چکر میں تفریحیں بھی ہیں ایذا کے ساتھ — امتیاز اسکا ہے مشکل پارک ہے یا جیل ہے
برکتیں ساکت سعادت دم بخود مذہب خموش — دل دعا سے بے خبر تدبیر ہی سے میل ہے
کہتے ہیں راہِ ترقی میں ہمارے نوجوان — خضر کی حاجت نہیں ہمکو جہانتک ریل ہے

وضع بدلی گھر کو چھوڑا کاغذوں میں چھپ گئے — چندہ روزہ کھیل تھا آخر کو سب مر کھپ گئے
مٹ گئے نقش و نگارِ دیرِ فانی کے مرید — نام انھیں کا رہ گیا روشن جو ہر کو جپ گئے
دل کا ٹکڑا تو رہا باقی پئے راہِ خدا — ریل میں کیا غم جو اکبر کھیت تیرے نپ گئے

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس ہی نہیں باقی — جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے
حدیثِ آرزوئے قربِ یاری پر نظر کس کی — خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے
ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں — نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے
معاذ اللہ غفلت باریاں یہ ابرِ مغرب کی — کوئی آلودۂ آذر کوئی صرفِ جوانی ہے
مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی ہیں — جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

آفتِ جاں ہے تجلی آتشِ رخسار کی — خیر ہو یارب نگاہِ شوقِ سہل انکار کی
مست کر دیتی ہے مجھکو فصلِ گل میں بوئے گل — وجد میں لاتی ہے حالت سبزہ و اشجار کی
بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولوں کی بو — جس پہ سو جانیں فدا ہوں طبلۂ عطار کی
قطرہائے شبنمِ پاکیزہ پتوں پر نہیں — سبز پریوں پر چمک ہے موتیوں کے ہار کی
ہر شگوفے پر تڑپ جاتی ہے طبعِ حسن دوست — پتی پتی پر نگاہیں ڈالتا ہوں پیار کی
ناچتا ہوں صحنِ گلشن میں ہوا کے ساتھ ساتھ — ہمنوائی چاہتا ہوں بلبلِ گلزار کی
مجھکو دیوانہ بنا دیتا ہے فطرت کا جمال — عارضِ گل سے نمی رہتی ہے روئے یار کی
سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو — حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی
نکہتِ گلہائے شاخِ گل میں یہ مستی کہاں — اور ہی خوشبو ہے کچھ تیرے گلے کے ہار کی

متعلق امورِ خاص

ڈاکٹر مینارڈ[1] ہیں اپنے ہنر میں لاجواب
ہاتھ انکا برق ہے نشتر شعاعِ ماہتاب

ہفت سالہ تھا مرض دم بھر میں زائل ہوگیا
آنکھ روشن ہوگئی جاتا رہا سارا حجاب

پانچ ہی دن میں نہ ہٹی تھی نہ لستر کی وہ قید
حسن کلکتہ تھا اور میری نگاہ و انتخاب

ڈاکٹر مینارڈ کو اللہ رکھے شاد کام
اور رہے خلق خدا انکے ہنر سے فیضیاب

مدرسہ آبحیات خوب ہے کانپور میں
قوم کی سچ جو پوچھئے خدمت واقعی یہ ہے

حمد خدا کے غلغلے ہونگے بلند اب یہاں
اسمیں ذرا بھی شک نہیں دین کی بہتری یہ ہے

حضرتِ رعد کا یہاں جوش و خروش دیکھکر
سب نے کہا یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ یہ ہے

عنبر[2] فشاں ہوا ہے معطر مکان ہے
کیوڑے کا یہ عرق نہیں کیوڑے کی جان ہے

کیوڑہ بنے گا پندرہ قطروں سے اک گلاس
اُسکی یہی ہے جانچ یہی امتحان ہے

صنعتِ صالح کو دیکھ اس روغنِ بادام میں
یاسمن کی روح پھونکی ہے تنِ بادام میں

تاریخ وفات والدہ سید عشرت حسین - ۲۴ - اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء ماہ عید ۲۹ سنہ ۱۳۲۸ھ

مزار راحت رساں و محرم اسرار بالودی
ہمیں تاریخ فوتت گفتہ ام غمخوار بالودی
۱۹۱۰ء

[1] حضرت مصنف مدظلہ العالی نے یہہ نظم حسب فرمائش جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لکھی - اسکا ترجمہ انگریزی ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں فریم میں لگا ہے - نواب سید محمد خان صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹری بنگال کے ذریعہ سے مراسلت ہوئی ۱۲ (۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء کو اپریشن ہوا تھا)

[2] یہہ اشعار حضرت مصنف دام فیضہ نے حسب فرمائش شیخ محمد حسین صاحب سکندرپوری ضلع بلیا مہ صالحہ وار نظامتہ العالیہ مرشدآباد صدر دوکان کھنگراپٹی کلکتہ نمبر ۲۰ موجد بادامی روغن و شاہی کیوڑہ وغیرہ کے کیوڑہ کی تعریف میں موزوں فرمایا ۱۲ محمد عبدالرحمٰن اقبیس -

مادہ تاریخ ولادت سید ہاشم سلمہ اللہ تعالیٰ

ظہور بدر	تیغ فاتح
۱۳۱۶ھ	۱۸۹۹ء

مادہ تاریخ ولادت سید عقیل سلمہٗ ابن سید عشرت حسین سلمہٗ

محمد عقیل ابن عشرت

۱۳۲۵

تاریخ وفات جناب سید تفضل حسین صاحب پدر مصنف

چو شد واصلِ ذاتِ ربِ ذاتِ او	بجو سال تاریخش از ــ ذاتِ رب ۱۳۰۳ھ

تاریخ وفات جناب سید ہادی علی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ الہ آباد

انکے مرنے کا نہ کیوں ہو سب کو غم	سچ تو یہہ ہے لاکھوں ہی میں ایک تھے
سنئے الہامی یہہ تاریخ وفات	میر ہادی صلح جو تھے نیک تھے
	۱۳۱۶ھ

ایضاً متفرق مصرعے

پاکیزہ سرشت صاحبِ رائے   میر ہادی از جہاں مردانہ رفت

شد اہل بہشت میر ہادی

قطعات و مثنویات

مسلّم ہے جب سب کو اِلّا قلیلا	تو ہر علم ہے ذہن انسان میں ڈھیلا
مگر مست کرجاتا ہے ہوکے پیدا	اسی فیضِ فطرت سے کوئی رسیلا
مذاہب کی مستی حریفوں کی شوخی	رہیگی رچی یونہی دنیا کی لیلا

الا یا ایہا الساقی بدہ ووٹے بمحفلہا	کہ سیاست[1] آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا
رفیقاں شکست و طاقت سلب و دولت صرف و دل بےحس	چرا افتی پئے نامے دریں گرداب مشکلہا
رہِ پیچیدہ سرِّ حکومت بر تو بکشاید	مگر چوں مار کاہل حلقہ زن باشی دریں بلہا
عبث اے بے ہنر قربِ مشینِ مغربی خواہی	کہ جز دودے ترا حاصل نمیگردد ازیں بلہا
حکومت پارلیمنٹی نباشد اندریں کشور	وے میٹو بجنگ آید بہم از بہر کونسلہا
ہوس در سینہ می جوشد کہ جاں وہ اندریں منزل	خرد در گوش می گوید کہ بر بندید محملہا
ز حرصِ ممبری نقصان پذیرد قوتِ ملت	بجائے قوم۔ آں دخل یا بد بر درِ دلہا
چو ذوقِ خدمتِ ملک است حاجت نیست با کونسل	بکن تحریر در اخبار و لطفے دہ بمحفلہا
اگر جوشِ مضامین ہست در طبعِ بلیغ تو	بگو افسانہائے دردِ دل در شکل ناولہا
نمیگویم کہ موجِ شوقِ عزت ہست بے معنی	ہمی گویم نگہدارید کشتیہا ز ساحلہا
برآر از دل یکے دستِ دعا در حضرتِ باری	کہ تا بخشد دولت را التیامِ حق و باطلہا
اگر حاکم کند ایما طلب کن ووٹ و خوش بنشیں	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا
ببوئے شہرتے کاخر گزٹ زاں طرہ بکشاید	حریفاں مضطرب گردند و شور افتد بمحفلہا
چو در کونسل رسی باضد ادب مشغولِ خدمت شو	متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا

سبب زیں لائبریریہا[2] مرا اکراہ نیست	ہر کتابے را کہ بکشادیم بسم اللہ نیست
کورس را ہر سال تغیر است و باہم اختلاف	اتحادِ معنوی را سوئے دلہا راہ نیست

[1] نسخہ ... ممبر کونسل ۱۷ سلہ کتب خانہ۔

از مذاقِ مشرقی مہر طبع را بیگانگی
صف نشینانِ چشم یاری میکنند از ہم دریغ
گشتہ ام مایوس ازیں انداز آغازِ شما
صورت مذہب کہ می سازند تحسین می کنیم

چیزے از مغرب بدلہا ہست و خاطر خواہ نیست
کودکان را دریں محفلِ جنونِ جاہ نیست
لاآلہیت نمایاں ہست و الااللہ نیست
معنی دیں را کہ می سوزند خلق آگاہ نیست

برائے رسالہ زمانہ

جو اڈورڈ[1] نے چھوڑا شاہی کا چارج
خوشی ان کی ہے اور ان کا الم
قصیدہ کہے یا کہ نوحا لکھے
لحد بھی ہے اور مسندِ جاہ بھی
بڑے شور ایوانِ دولت میں ہیں
شہنشاہ مرحوم سمجھے صلح جو
وفا و ادب سے ہے یہاں رابطہ
خدا اُنسے خوش ہو انھیں دے فروغ
رہے تختِ برطانیہ برقرار
وہ سنبھلیں جو رہتے ہیں غفلت میں مست
بگڑتا ہے دنیا میں جو گھر بنا
خوشی کی بھی لیکن ہے پیہم نمود
ہمیں است آئینِ چرخِ کہن

ہوے جلوہ آرا شہنشاہ جارج
دو دل ہو رہی ہے زبانِ قلم
کدھر رُخ کرے کیا کہے کیا لکھے
مبارک سلامت بھی ہے آہ بھی
وہ تربت میں ہیں اور یہ حیرت میں ہیں
نئے اسپر رہیں بہت نیک خو
ہماری دعا ہے یہہ باضابطہ
بڑا ہیں نیک اور بد رہیں بے فروغ
رہے ہند یونہیں اطاعت شعار
یہاں تو ہے پہلے ہی سے دل شکست
مسلسل ہے رفتارِ موجِ فنا
بلا ہے تو لغزت کا بھی ہے ورود
چہ خوش گفت سعدیِ شیریں سخن

یکے را چوں پایاں رسد دورِ عہد
جواں دولتے سر بر آرد ز مہد

[1] حضور شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم ۱۲-

فرض عورت پر نہیں ہے چار دیواری کی قید
ہو اگر ضبطِ نظر کی اور خودداری کی قید

ہاں مگر خودداری و ضبطِ نظر آسان نہیں
منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آسان نہیں

تم میں وہ ضبطِ نظر اُنکیں وہ خودداری کہاں
رعبِ قومی مثل فاتح ملک پر طاری کہاں

اب رہی تعلیم۔ کون اس امر کا مفتوں نہیں
بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رُکنے لگا
شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا
ولولے لیکے نکلنے لگے کالج سے جواں
نئے انداز عبادت ہیں نئی صورتِ عیش
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ جہاں
بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب
دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب
شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
نعرے تحقیر کے اسپر ہوئے یاروں میں بلند
جب حکومت نہیں باقی تو یہ غمزے کیسے
تم نے شلوار کو پتلون سے بدلا اے شیخ
خود تو گٹ پٹ کے لئے جان دیئے دیتے ہو
لال جب خود ہی کنیسری[1] کا ہوا ہے بندہ
دولہا بھائی کی ہے یہ رائے نہایت عمدہ
درِ نظارہ مقفل رہے کب تک ہمسپر
اکبرؔ افسردہ شد از گرمی این طرزِ سخن

نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی امید
شرم مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید
رمضان ساعتِ کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید
دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
زہرہ ممبر ہوئیں ووٹر تھے جنابِ خورشید
کچھ مناسب نہیں اسوقت میں ایسی تمہید
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید
لڑکیاں بول اُٹھیں خود بہ طریق تائید
کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید
پھر مرے واسطے محرم رہے کیوں حبل ورید
ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآنِ مجید
تو یہ بینا رہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید
ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید
کیوں نہ غنچوں کے لئے بادِ صبا کی ہو کلید
شیخ بگریخت و درصومعۂ خویش خزید

[1] رنگ گردن ۱۲ اسلئے ایک خوش الحان خوبصورت ولایتی چڑیا ۱۲

کھل گئے ورنہ رہا شاہد مشرق میں حجاب	غل ہوا ہر سے کا بول اٹھے یہہ مغرب کے مرید
للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست	آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار	حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزیّن اور مشین	پھول اور سبزہ چمک اور روشنی ریل اور تار
کیروسین اور برق اور پٹرول یم اور تارپین	موٹر اور ایروپلین اور جگمگھٹے اور اقتدار
مشرقی پٹلوں میں تھی خدمت گذاری کی اُمنگ	مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ اسپرر	زینت و دولت کی دیوی اسپرس عالی تبار
بحر ہستی لے رہا تھا بیدریغ انگڑائیاں	ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہم کنار
انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے	تھی پئے اہل بصیرت باغ عبرت میں بہار
ذرّے ویرانوں سے اٹھے تھے تماشا دیکھنے	چشم حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام	حکمت آگین ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامے سے باہر نگاہِ نازِ فتاحانِ ہند	حدِ قانونی کے اندر آرزوؤں کی قطار
خرچ کا لوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا	فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار
دعوتیں۔ انعام۔ اسپیچیں۔ قواعد۔ فوج کیمپ	عزتیں۔ خوشیاں۔ اُمیدیں۔ احتیاطیں۔ اعتبار
پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائنس پھر اہل جاہ	بعد اسکے شیخ صاحب اُنکے پیچھے خاکسار
میں نے مرشد سے کیا جا کر یہہ اک دن التماس	کارِ دنیا نے بہت مجھکو کیا ہے اب اُداس

؎ ۱۵ / دسمبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مصنف مدظلہٗ کی آنکھ پر بمقام کلکتہ آپریشن ہوا۔ معاً ایک مضمون انکے دل میں پیدا ہوا اور اُسی وقت یہہ اشعار موزوں کر کے لکھوا دئے۔ ۱۲۔

؎ یہہ نظم پرچہ نظام المشائخ دہلی میں بہت مدح کے ساتھ چھپی ۱۲۔

جلوۂ دنیا نے مجھکو کر دیا ہے بے بصر — آخرت پر اب نہیں باقی رہی میری نظر
فلسفہ نے مجھکو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ — میری چشمِ طبع کو عارض ہے غربی کیٹریکٹ[2]
میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن کیجئے — ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجئے
کی توجہ حضرت مرشد نے میرے حال پہ — اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر
چشمِ باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا — کٹ گیا وہ رنگ محسوسات کفر انگیز کا
پھر درِ دل پر مرے تقوی کی ٹٹی باندھ دی — آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

دربارِ دہلی اک طرف لوکل مجالس اک طرف — مرزا کا چم خم اک طرف بدھو کی گھس گھس اک طرف
راجا میں ہندی فربہی موٹر کی طینت آتشی — مرطوب و بارد اک طرف اور حار و یابس اک طرف
ہرچند دل کے نرم ہیں تاہم بہت سرگرم ہیں — سردی کا احساس اک طرف اعزاز کا رس اک طرف
یہ رنگ و بو یہ زینتیں یہ پر تکلف صنعتیں — ہر گوشہ کیمپ اک طرف اور سارا پیرس اک طرف
آنکھوں کو تم کھولو ذرا دیکھو تو یہ پولو ذرا — تیزی فرس کی اک طرف اور نارِ فارس اک طرف
جو بن پہ باغِ دہر ہے گلشن ہر اک سو شہر ہے — وا گوشِ گل ہے اک طرف حیرت میں نرگس اک طرف
بھولے ہیں سب کبر و منی ہے شانِ دہلی دیدنی — دلکش دکانیں اک طرف بارعب آفس اک طرف
سرکش کو فکرِ حفظِ جاں اکبر کا شورِ الاماں — سائنس کا زور اک طرف حسنِ زنخ مس اک طرف

جانِ جہانبانی ہیں یہ عظمت میں لاثانی ہیں یہ
ہفت آسماں ہیں اک طرف اور جارج خامس اک طرف

شاہ کابل آں سراجِ ملت و روشن خرد — کرد نہضت از رہِ حکمت سوئے ہندوستاں
کول کالج را شرف بخشید از اسپیچ خویش — مرحبا گفت و دستِ فیض او شد زرفشاں
مرشدِ کالج بہ وجد آمد ز تحسینش ولے — مدحتِ ایں طائفہ بر قلبِ شیخ آمد گراں

۱ واقعہ ۲ موتیابند ۳ نجات - ۱۲ -

چمک دکھلا رہا ہے ذرّہ ذرّہ — منوّر ہر سڑک اور ہر مکاں ہے
بپا کل ملک میں ہے جشن شادی — جدھر دیکھو مسرت کا سماں ہے
تکلف کی نہیں باقی کوئی حد — ہر اک سو حرف زر صرف زباں ہے
نہایت فخر ملکِ ہند کو ہے — کہ اسکا شاہ اُس کا میہماں ہے
مکنزی اور پلوڈر کا ہے وہ لطف — کہ ہر طفلِ دبستاں شادماں ہے
الہ آباد کا یہ ہائی اسکول — انہیں کی دم سے رشکِ بوستاں ہے
خدا اس عہد کو رکھے مسلسل — کہ حاصل نعمتِ امن و اماں ہے
کلکٹر کا بھی ہے دربار عالی — یہاں بھی خاطرِ تنکوسیاں ہے

جن بزرگوں کی طلب سابق و دیرینہ ہے — انکو الطاف گورنمنٹ کا گنجایش ہے
جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق — قوم سے انکو بلا واسطہ لینے کا ہے شوق
دونوں راہوں میں ہے عزت بھی رکاکت بھی ہے — موقعِ مدح بھی ہے وجہ شکایت بھی ہے
مستند دونوں ہیں ہو چال جو اعزاز کے ساتھ — دونوں رہ سکتے ہیں آسودگی و ناز کے ساتھ
شدتِ حرص سے ہاں سوے رکاکت جو جھکے — غیر ممکن ہے کہ دل خلق کا رکنے سے رکے
نہ اچھل کود کا حاصل نہ تملق کا اثر — بجز اسکے کہ گھٹو زور میں باہم لڑکر
خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے — کس مپرسی ہے تو ہو اسکا خدا مالک ہے
امر طاعت ہی ہے اللہ کے پیاروں کے لئے — ماسوا اسکے جو ہے شغل ہے یاروں کے لئے
طلب رزق ضروری ہے تو مجبوری ہے — اسکے آگے ہے جو کچھ اس سے مجھے دوری ہے

ہم نشین جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے وہ آپ چلے آئیں گے

جنگ ٹرکی اور اٹلی کے متعلق رائیں

کوئی کہتا ہے

دکھائے گی نیا اب رنگ ٹرکی
وہاں بھی آگئیں مغرب کی لہریں
بہت خوددار اسے تھے سلطان سابق
ہوئے رخصت وہاں سے اولڈ فیشن

نہ ہوگی مبتلائے جنگ ٹرکی
ہوئی اب ہم کنارِ رِنگ ٹرکی
رہا کرتی تھی ان سے تنگ ٹرکی
ترقی اب کرے گی ینگ ٹرکی

بعض یہہ کہتے ہیں

بدلی وہ ہوا وہ سنبل وگل رخصت
اب دل میں ہیں دوستان ٹرکی شاداں

ساقی رخصت وہ ساغرِ مُل رخصت
لو ہوگئے پانیر کے - عبدُل - رخصت

لیکن بعض یہہ فرماتے ہیں

یلدیز سدِ راہ مخالف کنون نماند
آں تیغ عقل وآں نگہ پرفسوں نماند

اندیشۂ حریف بحالِ زبون نماند
سودا بہ جوش آمد وآں رنگ خوں نماند

چوں رخت خود بہ بست وبروں از مقام شد
عبدالحمید گفت کہ ترکی تمام شد

آں فکر مصر وکابل وجاپان وچین کجا
آں پالسی وآں نگہہ دور بیں کجا

آں خوض التفات پئے کار دین کجا
آں خاتم حمید کجا آں نگین کجا

دردل گذار بیم بجائے امید شد

گوئی خلا بماند و خلافت شہید شد

بہت لوگ یہہ کہتے ہیں

مجھپہ ہے تقلید واجب ہند کے دربار کی
راے میری ہے وہی جو راے ہے سرکار کی

کوئی انقلاب زمانہ کی یوں شکایت کرتاہے

حالت این چیست کہ من پیش نظر می بینم
درپس کار بتاں فتح و ظفر می بینم
درحرم سوز دل و خون جگر می بینم
چرخ را وضع دگر رنگ دگر می بینم

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

شاہ و سلطاں سے رعایا کی مروت نہ رہی
پاس ملت نہ رہا دین کی غیرت نہ رہی
وہ عقیدے نہ رہے اور وہ حکومت نہ رہی
دل کا مرکز نہ رہا ہاتھ کی طاقت نہ رہی

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

تار الحاد سے ہر گل کی یہہ کاوش کیسی
ترک ایمان کی دل خلق میں خواہش کیسی
کفر سے دعوی اسلام کی سازش کیسی
اے فلک کیا یہہ تیرا رنگ یہہ گردش کیسی

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

اب تو رکھ دی گئی تہ کرکے ادب کی چادر
پہلے قبلہ تھے تو اب صرف ڈیرہ ہیں فادر
امر تعظیم کو اطفال نے سمجھا باور[1]
ماؤں کو لینے کو ہرگز نہیں جاتیں نادر

دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

[1] صدق کرنا

ہیچ الفت نہ پسر را بہ پدر می بینم

اور میں کہتا ہوں

کیا بحث ہے ایران سے یا ترک و عرب سے
یا تخت پہ بیٹھے کوئی یا تخت سے اترے

اس وقت تجھے قطع نظر چاہیے سب سے
رکھ کام تو دن رات فقط طاعتِ رب سے

تاریخ نے دیکھے ہیں بہت رنگ فلک کے
خورشید نکلتا ہے سدا پردۂ شب سے

ہم کو سنبھالتی ہے ملت جو لا[1] بنائے
کیا حالِ قوم مجھ سے تو پوچھتا ہے ہمدم
کفر اسکو ہے قناعت محنت کی راہ کھولی
جب پیشوا نے اپنا کعبہ جدا بنایا
اپنی ہی یہ خطا ہے ہم نے تو خوب جانچا
شر جس سے پھیلتا ہے یا دش بخیر بھی ہے
جھوٹی لگاوٹوں سے ہرگز نہیں ہے سیری
آثار کہہ رہے ہیں گوشِ دلِ حزیں میں

ہیں کو نباہتی ہے غیرت جو دل میں آئے
ہم کا پتہ نہیں ہے میں ہیں مگر بہت کم
تقریریں فضولی کوشش میں بے اصولی
اپنے مزے کو سب نے اپنا خدا بنایا
لڑکے ڈھلے ہیں ویسے جیسا بنا تھا سانچا
اپنا ہی کیا کہ ہنستا اب ہم پہ غیر بھی ہے
حرص و طمع نے کھودی اس قوم کی دلیری
جیتا رہا تو تو بھی ملجائے گا انہیں میں

بچنا اگر ہے تجھ کو اس دور میں تو سورہ
بے رونقی پر کر صبغۃ اللہ ہی کا ہو رہ

[1] قانون۔